القول الجميل
في
مدّ التأذين والتكبير

یعنی

کلمات اذان و تکبیرات انتقال میں مد کی حقیقت

مرتب

محمد صدیق سانسرودی فلاحی

خادم التجوید والقراءات

دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر ضلع سورت گجرات

لجنة القراء

دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت، گجرات

القول الجمیل فی مدّالتأذین والتکبیر

یعنی

کلمات اذان وتکبیرات انتقال میں مد کی حقیقت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَایَسْمَعُ مَدٰی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَااِنْسٌ وَّلَاشَیْءٌ اِلَّاشَهِدَلَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (بخاری)

القول الجمیل فی مدّالتأذین والتکبیر

یعنی

کلمات اذان وتکبیرات انتقال میں مد کی حقیقت

مرتب

محمد صدیق سانسرودی فلاحی

خادم التجوید والقراءات

دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر ضلع سورت گجرات

لجنة القراء

دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ تفصیلات ﴾

نام کتاب	:	القول الجمیل فی مدّ التاذین والتکبیر
مرتب	:	محمد صدیق سانسرودی فلاحی
طبع دوم	:	شعبان ۱۴۳۱ھ ۲۰۱۰ء
تعداد	:	گیارہ سو
طباعت	:	شیروانی آرٹ پرنٹرس، دہلی

﴿ ناشر ﴾

لجنۃ القراء

دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت گجرات

☆ فہرست مضامین ☆

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۴
۲	مقدمہ از: حضرت الاستاذ مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب دامت فیوضہم	۷
۳	کلمات اذان میں تحسین سے متعلق حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا فتوی	۱۶
۴	الحان وانغام	۱۹
۵	ایک ضروری وضاحت	۲۱
۶	کلمات اذان میں مد کے سلسلہ میں رسالہ "البلاغ" کا مضمون	۲۶
۷	شد الدلالہ فی مد الجلالہ	۲۹
۸	تجوید کا موضوع	۳۳
۹	صاحب نہایہ کی رائے	۳۴
۱۰	مؤذنین پر نکیر میں ملا علی قاریؒ کا اعتدال	۳۵
۱۱	ممانعت مد کے مستدلات کا جائزہ	۳۸
۱۲	تکبیر تحریمہ اور تکبیر اذان کے مابین فرق	۳۹
۱۳	قراءت کا ایک باریک نکتہ	۴۲
۱۴	تکبیرات انتقالات میں مد	۴۳
۱۵	ابن القطانؒ کی رائے	۴۷
۱۶	تکبیرات انتقال میں مد سے متعلق حضرت گنگوہیؒ اور دیگر اکابر کی تحقیق	۵۰
۱۷	تکبیرات سے متعلق علامہ نوویؒ کی رائے	۵۵
۱۸	تکبیرات میں ہونے والی بعض غلطیاں	۶۰
۱۹	کلمات اذان میں مد کی مقدار	۶۱
۲۰	رمضان المبارک میں حضرت گنگوہیؒ کی اذان	۶۵
۲۱	مد سے متعلق قاری عبداللہ سلیم صاحب مدظلہ کی رائے	۶۶
۲۲	خلاصۂ کلام	۶۹

پیش لفظ

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالانبياء والمرسلين سيدنا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين.

کلماتِ اذان میں مد کا مسئلہ ایک طویل عرصے سے عرب وعجم میں موضوعِ بحث رہا ہے بالخصوص ہمارے ہندوپاک میں، اور تقریر وتحریر کے مختلف انداز میں لوگ اپنی آراء کا اظہار کرتے رہے ہیں چنانچہ علم دین کے اس طالب علم کو بھی بیس بائیس سال سے اس پر اپنے بعض بزرگوں سے زبانی اور بعض کی عبارات سے استفادے کا موقع ملا، دونوں کے طرزِ فکر سے آگاہی ہوئی اور خلاصہ یہ سامنے آیا کہ اذان سے وہ کلمات جن میں وقفاً مد عارض ہے ان میں کوئی اختلاف نہیں البتہ ان میں حد سانس تک ۱۰ اسے ۱۵- الف تک مد جو نے جاتے ہیں ان کے قابل اصلاح ہونے پر اتفاق ہے تو حروفِ غیر مدہ میں امتداد کے غلط ہونے میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے، صرف اذان کے وہ کلمات جن کے حروف مدہ میں مد کا کوئی سبب لفظی نہیں ان میں ایک الف سے زیادہ مد ہوسکتا ہے یا نہیں، پھر ان میں بھی دونوں فکر کے لوگوں نے بحث کے بہت کچھ حصے کو صرف لفظ اللہ کے مد کے ساتھ خاص کردیا ہے، چونکہ دونوں طرف لوگ برسوں سے ضمناً ومستقلاً مختلف انداز سے لکھ رہے تھے مثلاً (۱) حضرت مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب دامت برکاتہم کا ایک مضمون ۱۹۷۸ء کے ماہ اگست کے رسالہ دارالعلوم دیوبند میں شائع ہوا تھا جس میں آپ نے کلماتِ اذان میں مد کا جواز تحریر فرمایا ہے اور اس نظریہ کی حمایت فرمائی ہے، (۲) تو ایک فتوی گجرات کی قدیم ومشہور دینی درسگاہ جامعہ ڈابھیل سے شائع ہوا جس میں مد کی تائید کے ساتھ اعتدال کو کہا گیا ہے، (۳) پھر پاکستان سے شائع ہونے والا موقر پرچہ "البلاغ" میں اذان سے متعلق

مسئولہ اکیس سوالات جن میں سب سے پہلا سوال مد سے متعلق ہے اس کے جواب میں ایک الف سے زائد سات الف تک کا جواز اور اس کی تائید کو تفصیلاً لکھا ہے، (۴) تو ابھی چند ماہ قبل "المد التعظیمی" کے نام سے ایک رسالہ ہمارے پاس آیا جس میں مد کی تائید کے ساتھ ساتھ مانعینِ مد کی طرف سے کی جانے والی شدت کی فقہی انداز سے بالتفصیل تردید بھی ہے، (۵) دارالعلوم دیوبند سے فخر گجرات مشہور محدث حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم نے کتاب (آداب اذان واقامت) میں بطور حاشیہ مواقع مد اصلی میں تین الف کے بقدر امتداد کو مستحسن اور سات الف تک کو جائز لکھا ہے، (۶) حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب رحیمی ملتانی مہاجر مدنی دامت برکاتہم نے "شد الدلالہ فی مد الجلالہ" کے نام سے ایک پُر از سواد مضمون کمال الفرقان حاشیہ جمال القرآن کے اخیر میں بطور ضمیمہ کے ملحق فرمایا ہے، جس سے بہت سے فتاوی میں مد لی گئی ہے، تو دوسرے پلیٹ فارم سے بھی مضامین شائع ہوئے چنانچہ "حبر التقریر فی حذف التکبیر" نامی ایک مضمون غیر مطبوعہ ہے، تو استاذ الاساتذہ، پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف، مرکز المدارس دارالعلوم دیوبند کے مشہور مدرسِ تجوید وقراءت اور ذاتی طور پر میرے مشفق جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کا ایک مضمون "کلمات اذان میں مد کی تحقیق" کے عنوان سے شائع ہوا ہے ادھر ناچیز کا تعلق بھی ایک مدت سے شعبۂ تجوید سے رہا لہٰذا اس سلسلہ میں لوگوں نے مجھ سے بھی سوالات کئے، اسلئے اس مسئلہ پر کچھ کتب کی ورق گردانی کرنے اور اس پر کچھ غور وفکر کا موقع ملا اور جی چاہتا رہا کہ مسئلۂ مذکور سے متعلق اپنے ذہن میں موجودہ خاکہ کے مطابق کچھ گذارشات ان سائلین کی خدمت میں پیش کردوں، مگر میرے لئے بار بار یہ خیال سدِ راہ بنتا رہا کہ دونوں جانب ہمارے اکابر اہلِ علم وفضل موجود ہیں جن کے سامنے اپنی حیثیت طفلِ مکتب سے زائد نہیں، کوئی

ایسا لب ولہجہ یا کلمہ سرزد ہو جائے جو ان حضرات کی شانِ اعلیٰ وارفع کے مناسب نہ ہو اس لئے لکھتا، رکھ دیتا، کا معاملہ ایک مدت تک رہا، پھر مسئلہ کی نزاکت واہمیت کے پیش نظر پہلے اپنے بڑوں سے مشورہ کیا بالخصوص جنکے احسان و پدرانہ شفقتوں کا شکریہ ادا کرنا مشکل ہے، ایسے میرے روزِ اول سے تاحال مربی و مشفق رئیس الجامعہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم، پھر جنکی ناقابلِ فراموش حوصلہ افزائی وہ خوردنوازی نے دسیوں مرتبہ میرے لرزتے قدم کو سہارا دیا، میری مراد استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاسم آنجی صاحب دامت فیوضھم ہیں، اور اسی طرح ضرورت کے موقع میں جن کے مفید مشوروں نے ہمیشہ میری رہبری فرمائی ہے، پھر اس وقت بعنوان مقدمہ جن کے بابرکت کلمات نے میرے اس مضمون کو تقویت بخشی ہے یعنی حضرت الاستاذ حضرت مولانا سید ذوالفقار صاحب دامت فیوضھم علینا، نیز فلاح دارین کی مختصر چھوٹی موٹی کاوشوں میں جنہوں نے کافی سے زیادہ دلچسپی لیتے ہوئے میرا غیر معمولی تعاون کیا میری مراد جناب مولانا محمد یوسف صاحب ٹنکاروی مدظلہ العالی استاذ حدیث وتفسیر ہیں، تو ان حضرات نے نہ صرف ہمت دلائی بلکہ اس دوران مضمون کا مطالبہ بھی کرتے رہے، بہر حال کچھ ہمت ہوئی اور یہ دو چار صفحات ترتیب دے سکا، فجزاھم اللہ احسن الجزاء اور یہ صرف اور صرف اس لئے ہے کہ کلماتِ اذان میں مد سے متعلق دونوں فکر سامنے آئیں اور علماءِ امت نے جو صورتیں جائز قرار دی ہیں حدود میں رہتے ہوئے ان سے اذان کی تحسین کرسکیں اور جو چیزیں اس باب میں قابلِ اصلاح ہیں ان سے اجتناب کیا جائے۔

رب کریم سے دعاء ہے کہ وہ اسکو شرفِ قبول عنایت فرمائیں اور خود میرے اور میرے والدین، اساتذۂ کرام، محسنین ومعاونین کیلئے ذریعۂ نجات بنائیں، آمین۔

مقدمہ

از: استاذ الاساتذۃ حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وناظم تعلیمات دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، ضلع سورت، گجرات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

اسلام ایک عملی (پریکٹیکل) مذہب ہے لہذا اس کے اعمال پر الحمدللہ آج بھی کافی حدتک عمل جاری ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف نظری (تھیوریکل) طور پر باقی ہو اور عملی حیثیت میں کلی طور پر متروک ہو گیا ہو، بلکہ اس کا جتنا حصہ عملی طور پر مسلمانوں نے اپنی غفلت سے متروک کردیا ہے اس کے لئے بھی قوم کے غیور اہل علم وداعی حضرات رات دن کوشاں ہیں، انفرادی اور اجتماعی طور پر اسپر عمل کی ترغیب دے رہے ہیں، خدا کرے کہ امت کل اسلام پر عمل کرکے "ادخلوا فی السلم کافۃ" پر عمل پیرا ہو جائے اسلئے کہ کل اسلام پر عمل کرنا ہی درحقیقت اس دنیا میں امن وامان اور آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے۔

اسلامی اعمال میں جو عبادت مسلمانوں سے دن رات میں پانچ مرتبہ مطلوب ہے وہ نماز کا فریضہ ہے، الحمدللہ مسلم قوم نے سارے اسلامی اعمال میں سب سے زیادہ اس فریضہ کی پاس داری کی ہے، چنانچہ اس عبادت کے لئے لاکھوں مساجد آج دنیا بھر میں موجود ہیں، بہت کم مسلم آبادی ایسی ہوگی جہاں باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے کوئی مسجد یا جماعت خانہ نہ ہو۔

پھر نماز کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا فرض حصہ جماعت کے ساتھ مسنون ہے نیز اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے لئے تداعی مشروع ہے کہ لوگوں کو باقاعدہ

نماز کی دعوت اعلان کے ذریعہ باٰواز بلندکی جاتی ہے اوراس اعلان کواذان کہا جاتا ہے، اسکے لئے پندرہ کلمات مقرر ہیں، جنکا پکارا جانا سنت ہے، ان کلمت میں اپنی طرف سے کوئی زیادتی نہیں کی جاسکتی، شارع علیہ اسلام نے جوکلمات منتخب فرمائے ہیں وہی پکارے جاسکتے ہیں، ہاں ان پندرہ کلمات کے علاوہ اگرکسی نماز کیلئے شارع نے خودچند کلمات کا اضافہ فرمایا ہو، جیسے فجر کی نماز میں "الصلوۃ خیرمن النوم" کا دومرتبہ پکارا جانا تو اس اضافے کو باقی رکھا جائے گا۔

اذان کا مقصد مسجد سے باہر محلے، بازار اور کاموں میں مشغول لوگوں کو نماز کا وقت ہوجانے کی اطلاع دینا ہے اور نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہوجانے کی دعوت دینا ہے، اس لئے اذان میں آواز کا بلند کرنا وآواز کا دراز کرنا ضروری ہے، اس کے لئے بعض کلماتِ اذان کو کھینچنا ناگزیر ہوتا ہے۔

اذان کے بعد جب لوگ مسجد میں حاضر ہوجاتے ہیں اور سنن وتلاوت وغیرہ میں مصروف ہوجاتے ہیں یا وضوء وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں، ادھر جماعت کھڑی ہونے والی ہے امام مصلے پرآنے لگتا ہے تو اس وقت مسجد کے اندر مشغول لوگوں کو جماعت کی اطلاع دینے کے لئے صف کے اندر کھڑے ہوکر ایک اذان دی جاتی ہے، جس کو اقامت کہتے ہیں، اس میں اذان کے کلمات کے ساتھ ساتھ قدقامت الصلوۃ دومرتبہ کہا جاتا ہے، یہ کلمات بھی اذان کی طرح توقیفی ہیں، شارع کی طرف سے متعین کردہ ہیں، کسی کو اضافہ کا حق نہیں ہے اقامت میں کلمت کی تعداد ۱۷ سترہ ہے۔

الحمد للہ اذان اور اقامت کے کلمات مسلمانوں میں تیرہ سو سالوں سے معروف ہیں بچے بچے کو ازبر ہیں شاید ہی کوئی مسلمان ہوگا جس کو یہ کلمات یاد نہ ہوں۔

پھر یہ کلمات عربی زبان کے ہیں اور عربی زبان ہی میں پکارنے مشروع ومسنون ہیں، لیکن

یہ بات بھی مسلم ہے کہ اگرچہ اذان کے کلمات عربی زبان کے ہیں اور وہ توقیفی ہیں پھر بھی وہ قرآن نہیں ہے۔

لہذا تجویدی قواعد کی وہ رعایت جو صرف قرآن کو حاصل ہے، غیر قرآن کے عربی کلمات کو نہیں دی جائیگی، چاہے وہ اذان کے کلمات ہوں یا احادیث کی عبارت، اس میں مخارج کی صحت کا تو لحاظ رکھا جائیگا، مگر قراءت وتجوید کے قواعد کی وہ باریکیاں ملحوظ رکھنا ضروری قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ان کی فروگذشت پر عدمِ صحت کا حکم لگادیا جائے۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اذان کے عربی کلمات کی ادائیگی میں عربی قواعد نحویہ صرفیہ اور تجویدیہ کو بالکل بالائے طاق رکھ کر من مانی آواز نکالی جائے اور حروف کو جتنا چاہیں کھینچ تان کر ادا کرتے رہیں اور اذان کو گانا اور ترانہ بنایا جائے، جیسا کہ آج کل اکثر مؤذنین کا وطیرہ ہے، چنانچہ اذان میں بڑی بڑی اغلاط کی جارہی ہیں بلکہ بعض اغلاط تو ایسی ہیں کہ ان سے غلط معنی پیدا ہوجاتے ہیں مثلاً اللہ اکبر کی ہمزہ کو دراز کرکے ''آللہ اکبر'' پکارا جاتا ہے، جس سے سوالیہ معنی پیدا ہوجاتے ہیں، گویا مؤذن یہ پوچھ رہا ہے کہ کیا اللہ بڑا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ کتنا غلط سوال ہے، اسی طرح مثلاً اللہ اکبر میں بعد باکے الف بڑھا کر اکبار پڑھا جاتا ہے، اکبار تو شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اس سے کتنے برے معنی پیدا ہوجاتے ہیں، بہرحال اس قسم کی اغلاط اس وجہ سے پیدا ہوجاتی ہیں کہ عربی کلمات کو ان کی اپنی ادائیگی جو قواعد عربی وتجوید میں ہیں ان کے مطابق ادا نہ کیے جائیں، اس لئے اذان میں اس کے حروف وکلمات کی صحت پر توجہ دینی چاہئے، ان کو سیکھنا چاہئے، جاننے والوں کو سکھانا چاہئے، غلطی کرنے پر ٹوکنا چاہئے، ادائیگی کے لئے جو قواعد بنے ہوئے ہیں انہیں کے مطابق ادا کرنا چاہئے، مثلاً اشھد ان لاالہ میں نون نہیں پڑھا جائے گا، محمد رسول اللہ میں تنوین کا راء

میں ادغام ہوگا، یا مثلاً اذان کے آخر لا الٰہ الا اللّٰہ میں اللّٰہ کے لام میں مد کیا جائے گا کہ وہاں سبب مد سکون موجود ہے، اسی طرح حیی علی الصلوۃ میں بھی مد کیا جائے گا۔

اس کے باوجود اس بات کا بھی لحاظ رکھا جائے گا کہ اذان کا مقصود ابلاغ و اعلان ہے، اور اس کے لئے آواز کی بلندی، درازی و کشش ضروری ہے، چنانچہ اس مقصد کے لئے اگر بعض جگہ ایک الف مد کی مقدار کو بڑھا کر پانچ الف یا سات الف کرنا پڑ جائے، تو وہ جائز ہوگا، اس کو ممنوع نہ کہا جائے گا، جیسا کہ لفظ اللّٰہ کے لام میں قاعدے کے لحاظ سے تو مد کی ایک الف مقدار مقرر ہے، مگر بطور تعظیم اور بطور اعلان کے اس کی گنجائش ہے کہ اس کو پانچ الف یا سات الف کی مقدار تک دراز کیا جا سکتا ہے، فقہاء، مفتیان کرام اور مجودین نے اس کی اجازت دی ہے، اور مد کی دو قسمیں مدِ لفظی اور مدِ تعظیمی میں، اس کو مدِ تعظیمی گردانا ہے۔

آج کل یہ مسئلہ چونکہ فتاوے اور رسائل میں موضوع بنا ہوا ہے کہ اذان میں کہاں کہاں مد ہے اور کتنا ہے؟ کہاں نہیں ہے، پھر اس کی اغلاط قابل نکیر ہے یا نہیں، فقہاء، مجودین و مفتیانِ کرام کی کیا رائے ہے؟

اس مناسبت سے دار العلوم فلاح دارین کے شعبۂ تجوید کے صدر قاری ومقری عزیزم گرامی قدر مولوی قاری محمد صدیق صاحب سلمہ نے جو برسہا برس سے حفص، سبعہ، ثلاثہ اور عشرۂ کبیر کی مشق و تدریس میں مشغول ہیں، اور فن تجوید میں تقریباً نصف درزن سے زائد کتب کے مصنف ہیں، جن میں بعض درسیات کی شروح بھی ہیں موصوف فیض آباد کے مشہور ترین قاری، قاری انیس صاحبؒ کے شاگرد رشید ہیں، اس مسئلہ پر یہ رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس میں اس مسئلہ کے سارے پہلوؤں کا مکمل احاطہ کیا ہے، اور دلائل کے ساتھ اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اذان میں اعلان و ابلاغ کی

غرض سے بطورِ مدِ تعظیمی لفظِ اللہ کے مدِ طبعی میں ایک الف سے زیادہ تین پانچ یا سات الف تک مد کیا جاسکتا ہے، اربابِ فن نے اس کو جائز رکھا ہے، مضمون عقلی ونقلی دلائل سے مدلل ہے، موصوف نے فقہاء کی عبارتوں، مفتیوں کے فیصلوں اور قراء کرام کی تحقیقات اور اس موضوع پر برصغیر میں چھپے رسائل کے مضامین سے اور دسیوں کتب کے حوالے سے اس مسئلے کے جواز پر دلائل جمع کردئے ہیں، میرے علم میں اس مسئلے پر اب تک چھپے رسائل اور مضامین میں اس سے زیادہ مدلل اور مفصل رسالہ نہیں آیا، مجھے امید ہے قاری صاحب جیسے متقن قاری کی اس تحقیق کو قبول کیا جائے گا، ان شاء اللہ، اس سے ان شبہات کے ازالہ میں مدد ملے گی، جو بعض کتب تجوید کی عبارتوں سے اس مسئلہ میں پیدا ہوگئے ہیں۔

قاری صاحب موصوف نے اپنے حسنِ ظن سے اس خاکسار کو رسالے کے شروع میں بطور مقدمہ کچھ تحریر کرنے کا امر فرمایا، یہ عاجز قطعاً اس کا اہل نہ تھا، یہ فنِ تجوید کے ماہرین کا موضوع ہے، مگر حکم کی تعمیل میں یہ چند سطور قلمبند ہوگئیں ہیں، جو انہیں حضرات کے مضامین سے مستفاد ہیں، اگر درست ہوں تو اللہ کی توفیق جانئے اور غلط ہوں تو بندہ کا قصور اور کم علمی پر محمول کیجئے، اللہ تعالیٰ صاحب رسالہ کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس فن میں مزید علم وتحقیق کی توفیق بخشے۔ آمین، ثم آمین،

ذوالفقار احمد غفرلہ ۱۳؍جون ۲۰۰۳ء

☆ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ☆

الحمدللہ الذی جعل قول من دعاالیہ احسن الاقوال فقال ومن احسن قولاً ممن دعاالی اللہ، (الآیۃ) والصلوۃ والسلام علی من بشرالمؤمنین بانھم اطول الاعناق یوم القیامۃ وعلی آلہ واصحابہ الذین بذلواجھودھم فی اعلاء کلمۃ اللہ فی ارجاء العالم واکنافھا وعلی من تبعھم باحسان الی یوم الدین.

امابعد، منجملہ شعائرِ اسلام کے ایک اذان ہے، جو نماز جیسے اہم رکن واہم عبادت کا اعلان ودیباچہ ہے، لغۃً اذان بمعنی اعلان ہے، جیسا کہ فرمان خداوندی ہے ﴿واذان من اللہ ورسولہ﴾ اور شریعت مطہرہ میں الفاظ مخصوصہ سے اوقات صلوۃ کے اعلان کا نام اذان ہے، چنانچہ شمع رسالت ﷺ کے پروانوں میں جس نے اسلام کے اولین مؤذن ہونے کی سعادت حاصل کی وہ حضرت بلالؓ تھے، جن کے لئے روایت میں "اندیٰ وامدُّصوتاً" وارد ہوا ہے، لہذا جہاں یہ مطلوب ہے کہ مؤذن جھوری الصوت ہو وہاں یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ پرکشش وعمدہ آواز کا حامل ہو، تا کہ آواز سن کر قلوب کھنچیں، اور لوگ متوجہ ہوں، اور صوتی کراہت کی وجہ سے تنفر پیدا نہ ہو، چنانچہ خود صاحب شریعت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿یؤذن لکم خیارکم﴾ اس کے تحت علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں ﴿ویدخل فی الخیار من لایلحن الاذان لانہ لایحل وتحسین الصوت مطلوب﴾ (شامی جلد اول ص ۱۰۴) یعنی بہترین مؤذن وہ ہوگا جو کلمات اذان میں غلطی نہ کرے کہ یہ جائز نہیں ہے، باقی مؤذن کا حسن الصوت ہونا اور اذان کی تحسین تو مطلوب شرعی ہے، بلکہ نسائی شریف کی روایت ہے سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت ابومحذورہؓ کو اسی لئے منتخب فرمایا تھا کہ وہ خوش الحان تھے، چنانچہ راوی کہتے ہیں ﴿فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدسمعت فی ھؤلاء تادین انسان حسن الصوت فارسل الینا﴾

(الحدیث) یعنی میں نے ان نقل اتارنے والوں میں ایک خوش الحان شخص کی آواز سنی ہے، پھر آپ ﷺ نے ہم کو بلایا پھر ہم نے الگ الگ اذان کہی اور میں سب سے آخر میں تھا، جب میں نے اذان کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا ادھر آو، پھر مجھے اپنے سامنے بٹھا کر میرے سر کے اگلے حصہ پر دست مبارک رکھ، اور تین دفعہ مجھے برکت کی دعا دی پھر فرمایا: جاؤ بیت اللہ میں اذان کہو، دیکھئے! آپ کو کعبہ اللہ کا موذن بننے کا شرف حسن الصوت ہونے کی بناپر حاصل ہوا، غرض یہ کہ یک کو اندئی صوتا ہونے کی وجہ سے مدینۃ المنورہ کے موذن اور ایک کو حسن الصوت ہونے کی وجہ سے کعبۃ اللہ کے موذن ہونے کا شرف حاصل ہوا، جس سے معلوم ہوا کہ اذان میں جہر یعنی آواز کی بلندی و تحسین صوت دونوں مطلوب ہے کیونکہ اذان نماز کے لئے اعلان ہے۔

اس کی تائید کے لئے علامہ شامیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں ﴿الترجیع بالقرآن والاذان بالصوت الطیب طیب ان لم تزد فیه الحرف وان زاد کره﴾ یعنی خوش آوازی سے اذان کہنا مستحب و پسندیدہ ہے، جبکہ خوش آوازی کی کوشش میں کلمات اذان کے حروف میں زیادتی و اضافہ نہ ہو، اور اگر اس کوشش میں کسی حرف کی زیادتی لازم آئی تو ایسی خوش آوازی پھر مستحسن نہ ہوگی، مثلاً ﴿آللہ اکبار﴾ وغیرہ، معلوم ہوا کہ کلمات اذان کی صحت کے ساتھ خوش آوازی عندالشرع مطلوب ومحمود ہے۔

ردالمحتار علی الدرالمحتار میں ہے ﴿قوله بلاتغییر حسن ای والتغنی بلاتغیر حسن، فان تحسین الصوت مطلوب ولاتلازم بینهما﴾ (ج ۱/ص ۲۶۹)

ردالمحتار کی اس شرح سے معلوم ہوا کہ اذان میں ایسی تحسین وتغنی جس کی وجہ سے کلماتِ اذان میں کوئی تغیر وتبدیلی نہ ہو مطلوب ومستحسن ہے۔

آگے آپ فرماتے ہیں ﴿ولاتلازم بینهما﴾ یعنی تحسین تغیر کو مستلزم نہیں ہے لہذا یہ

خیال صحیح نہیں ہے کہ تحسین کی سعی کولحن وغلطی لازم ہے اوبلا غلطی کے تحسین ممکن ہی نہ ہو، لہٰذا جولوگ تحسین سے اس لئے احتراز کرتے ہیں کہ اس سے کلمات میں تغیر ہو کر موّدی الی فساد المعنی ہو جائے گا یہ صحیح نہیں ہے، مثلاً اگر لفظ اللہ میں ایک الف سے زیادہ مد کیا گیا تو اس سے معنی میں کوئی فساد پیدا نہیں ہوگا۔

غور طلب امر یہ ہے کہ اگر تغنی موجب تغیر ہوتی تو قرآن کریم کی تلاوت میں اس کے اہتمام کو کیسے کہا جاتا، جبکہ ارشاد ہے ﴿لیس مامن لم یتغن بالقرآن﴾ یہاں یاد رہے کہ من لم یتغن سے من لم یستعن مراد لینے کو جمہور محدثین نے غیر صحیح قرار دیا ہے، (فتح الباری، ج/۹-ص/۷۰) وغیرہ۔

سعایہ باب الاذان میں ہے قولہ ﴿ فامامجرد تحسین الصوت الخ﴾ ظاھر عبارۃ الخلاصۃ حیث قال تحسین الصوت لابأس بہ من غیر تغن، وعبارۃ قاضی خان حیث قال فی فتاویہ لابأس بالتطریب فی الاذان وھو تحسین الصوت من غیر ان یتغیر فان تغیر بلحن اومد وماشبہ ذالک کرہ. یشھد بان ترکہ اولیٰ. لکن الشارح نص علی انہ حسن. وفی فتح القدیر ﴿تحسین الصوت مطلوب﴾ اقول حسن الصوت یرق القلب یسیل الدموع ولذالک امر رسول اللہ ﷺ ﴿زینو القران باصواتکم﴾ وفی روایۃ اخریٰ ﴿لیس منامن لم یتغن بالقران﴾ فحسن الصوت امرمرغوب فالجرم بحسن الصوت حسن. کمالایخفی﴾

(ج/۲-ص/۱۵)

یعنی خلاصہ کی عبارت کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ بغیر تغنی کے تحسین میں کوئی حرج نہیں اور فتاوی قاضی خان میں ہے کہ بلا تغیر کلمات تحسین میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر تحسین کسی غلطی یا بے محل مد کا باعث ہو تو ایسی تحسین وسعی مکروہ ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ تحسین

کا ترک اولی ہے، لیکن شارح نے صراحت کی ہے کہ تحسین مستحسن ہے اور فتح القدیر میں ہے کہ اذان میں تحسین صوت مطلوب ہے، اور (صاحب سعایۃ علامہ فرنگی محلیؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ حسن صوت قلب کو نرم کرتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہا دیتا ہے، اور اسی وجہ سے تو اللہ کے رسول ﷺ نے امت کے جملہ افراد کو اس کا حکم فرمایا کہ وہ قرآن کریم کو اپنی فطری آوازوں میں مزین کریں، بلکہ ایک روایت میں تو فرمایا کہ جو شخص قرآن کریم کو اچھے انداز سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے، معلوم ہوا کہ حسن صوت مرغوب و پسندیدہ ہے، پس حسن صوت کا جزء قائل ہونا بہتر ہے، دیکھئے! علامہ فرنگی محلیؒ حسن صوت کے مستحسن ہونے پر کس قدر زور دے رہے ہیں، نیز اس سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ اذان میں بغرض تحسین ایسا مد کرنا جو تغییر ممنوع کا باعث نہ ہو، مطلوب و مستحسن ہے، ہاں غیر محل میں مد کیا تو ایسی تحسین و مد ممنوع ہوگا، جس کے لئے فقہاء کرام آللہ و آکبار کی مثالیں دیتے ہیں

چنانچہ رد المحتار (ج ۱–ص ۳۸۰) میں ہے ﴿اعلم ان المد ان کان فی الله وان کان فی اخرہ فھو خطاء﴾ وفی الھندیہ ﴿والمد فی اول التکبیر کفر وفی اخرہ خطاء فاحش﴾ (ج ۱–ص ۵۶) وفی فتح القدیر ﴿ولو مد ھاء الله فھو خطاء لغۃ﴾ (ج ۱–ص ۲۵۸)

ترجمہ: یعنی معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ اور اکبر مد کے ساتھ پڑھنا غلط ہے، جبکہ فتاوی ہندیہ میں ہے کہ آللہ مد کے ساتھ پڑھنا کفر ہے اور اکبار بالمد خطأ فاحش ہے اور فتح القدیر میں ہے لفظ اللہ کی ہاء میں مد کرنا لغۃً غلط ہے۔

بلکہ فقہاء کرام نے مواقع مد کی بھی تعیین فرمائی ہے، لہذا فتاوی رملی میں ہے ﴿ولو مد التکبیر بین الام والھاء فی کلمۃ 'الله' یجوز ولو مد فی موضع آخر لم یجز﴾

(ص/۱۳۱)۔

اگر اللہ اکبر میں لفظ اللہ کے لام وہاء کے مابین مد کیا تو یہ جائز ہے لیکن اگران کے سوا مواقع میں مد کیا تو یہ ناجائز ہے، یعنی ضرورتِ تحسین کے تحت جو مد کیا جاتا ہے اس کا موقع لفظ اللہ کا درمیانی الف ہے کہ اس میں صلاحیتِ امتداد ہے باقی مواقع میں صلاحیتِ امتداد کے نہ ہونے کی وجہ سے مد کرنا ایک حرف کا اضافہ ہے جو غلط ہے۔

چوں کہ اذان میں تحسین مطلوب ہے اور ظاہر ہے کہ تحسین کے لئے جہاں آواز عمدہ و پرکشش ہونا چاہئے وہیں لہجہ کی عمدگی بھی درکار ہوتی ہے، تو مقصد تحسین کے حصول کے لئے کلماتِ اذان میں طوالت و مد بھی ایک اہم چیز ہے، بلکہ مد کے موجب تحسین ہونے ہی کی وجہ سے قراء کرام نے مد کو صفتِ محسنہ سے تعبیر کیا ہے۔

کلماتِ اذان میں تحسین سے متعلق حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا فتویٰ:

اور اس طرح کی تحسین بذریعۂ مد خود سرکار دوعالم ﷺ سے تلاوتِ کلام پاک میں ثابت ہے، چنانچہ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب، مفتی اعظم دار العلوم دیوبند کلماتِ اذان میں مد سے متعلق اپنے ایک فتوی میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن قتادہ قال سئل انس کیف کانت قراءۃ النبی ﷺ فقال کانت مدامداً ثم قرء بسم اللہ الرحمن الرحیم، بمدبسم اللہ ویمدالرحمن ویمدالرحیم. (رواہ البخاری) (مشکاۃ شریف، ص/۱۹۰)

وتحت قولہ بمدبسم اللہ کانت مداً ای ذات مد والمراد منہ تطویل النفس فی حروف المدواللین عندالفصول والغایات وفی غیر ذالک مما یحسن المد لفظہ (التعلیق الصحیح، ج/۳-ص/۲۹)

اس روایت سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ تلاوت کرنا سرا بھی بلا کراہت

جائز ہے لیکن جب آپ ﷺ جہراً قراءت فرماتے تو بکثرت مد فرماتے حتی کہ بسم اللہ کو بھی مد کے ساتھ قراءت فرماتے اور رحیم کو بھی مد کے ساتھ قراءت فرماتے اور شرح مدت رحیم کے مد کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ای (کانت) ذات مد والمراد منه تطويل النفس في حروف المد واللين عند الفصول والغايات وغيرذالک ممايحسن المدلفظه. (التعليق الصحيح، ج۳/ص۲۹)

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تلاوت ہمیشہ جہراً لازم نہ ہونے کے باوجود جب جہراً تلاوت کا موقع آیا تو حضور ﷺ مداً مداً تلاوت فرماتے تھے، کمامر في رواية بخاري ومسلم، اور اسی طرح بسم اللہ میں مد فرماتے، رحمٰن میں بھی مد فرماتے اور رحیم میں بھی مد فرماتے، نیز موقعہ بموقعہ ہر جگہ مد فرماتے اور یہ مد کرنا اگرچہ فن تجوید کے اعتبار سے مد اصطلاحی نہیں ہوتا تھا بلکہ تحسینِ صوت کے لئے تطویل نفس اس طرح ہوتا تھا کہ سننے والے اس کو مد سمجھتے تھے، پس تلاوت جس میں جہر ہر حال میں لازم نہیں مگر جب جہر فرماتے تحسینِ صوت کے لئے بشکل تطویل نفس مد فرماتے، خواہ لغوی ہی ہو، تو اذان وصلوۃ میں مدی صوتہ وغیرہ روایت کے مطابق مؤذن کا اپنی پوری طاقت وقوۃ کے ساتھ جہر کرنا شرعاً مطلوب ہے، اس لئے اس جہر میں تحسینِ صوت کے لئے حدودِ شرع میں رہتے ہوئے مد کرنا شرعاً مطلوب ہوگا، انہیں وجوہ سے فقہ ائمۂ اربعہ (ج ۱/ص ۳۲۱) میں بیان، مندوبات الاذان وسننہ میں صفر کا قول بایں الفاظ منقول ہے، قالت الحنفية: التغني في الاذان حسن الا اذاادّى الى بغير الكلمات بزيادة حركة اوحرف فانه يحرم مافعله لايحل سماعه اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرقات شرح مشکات باب الاذان وغیرہ سے جو عبارتیں نقل کی گئیں ہیں وہ سب واجب اللحاظ والعمل ہیں، اوران سب روایات وعبارات ودلائل کا حاصل یہ نکلا کہ اذان کے کسی کلمہ میں کسی حرکت یا حرف کی

زیادتی دکی کے بغیر اور آواز بگاڑنے کے بغیر مدی، صوتہ وغیرہ دلائل کے پیش نظر اپنی بلند سے بلند آواز سے اسی طرح اذان دی جائے کہ اس میں گانے کی آواز بن جانے کا کوئی شائبہ نہ آوے، ہاں! اگر تحسینِ صوت کے لئے تطویل نفس (سانس کھینچنا) کرنے سے مدلغوی کی صورت پیدا ہوجائے تو اس میں مضائقہ نہیں ہوگا، جیسا کہ عبارت بالا سے ظاہر ہے، بشرطیکہ اہلِ تجوید اور مجوّدین کے اصول کے خلاف اور ان کے اصطلاحی مدنہ ہوجاوے۔ (فتاوی نظامیہ کی ج ۱۔ ص ۱۰۲)

نوٹ:۔ ”یاد رہے کہ قراء کرام کے نزدیک منجملہ اسباب مد کے ایک سبب معنوی بھی ہے“

حدیث پاک میں وارد ہوا ہے ﴿قال النبی ﷺ اذا اذنت فترسل واذا اقمت فاحدر﴾ مشکوٰۃ ج ۱۔ ص ۶۴۔ مراقی الفلاح میں ترسل کے معنی ﴿الفصل بسکتۃ بین کل کلمتین﴾ بیان کیا ہے، اور طحطاوی میں ہے ﴿وقیل بتطویل الکلمات کما فی البحر عن عقدالفرائد وکل ذالک مطلوب فی الاذان فیطول الکلمات بدون تغن وتطریب﴾ کما فی العنایہ (ص ۱۰۶)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تو اذان کہے تو ترسل سے اور اقامت کہے تو حدر سے کہے (مشکوٰۃ ج ۱۔ ص ۶۴) ترسل کے معنی مراقی الفلاح میں دو کلموں کے مابین بذریعہ سکتہ فصل کرنے سے بیان کیا گیا ہے، تو طحطاوی میں ترسل کے معنی کلمات میں تطویل اور امتداد سے بھی بیان کیا گیا ہے، جیسے کہ عقدالفرائد میں ”البحر“ سے نقل کیا گیا اور چونکہ اذان میں یہ سب مطلوب ہے، لہذا کلمات اذان کو بلا تغنی و تطریب کے امتداد سے کہا جائے گا، آگے آپ ”ویکرہ التلحین“ کی شرح میں فرماتے ہیں، وھوالتطریب والخطاء فی الاعراب واما تحسین الصوت بدونہ فھو مطلوب. (طحطاوی حاشیہ ۱۰۷)

اور تطریب کے معنی یوں بیان فرماتے ہیں ﴿التغنی به بحیث یؤدی الی تغیر کلمات الاذان وکیفیتھما بالحرکات والسکنات ونقص بعض حروفھا او زیادۃ فیھا فلایحل فیه ولافی قراءۃ القرآن ولایحل سماعه لان فیه تشبھا بفعل الفسقة فی حال فسقھم﴾ (طحطاوی ۱۰۷/)

ترجمہ ویکرہ التلحین یعنی اذان میں لہجہ اس انداز سے بنانا کہ اصل کلمہ میں تغیر کا باعث ہو، جس کو تطریب کہا جاتا ہے یہ غلط اور ناپسند ہے، اسی طرح اعراب کی غلطی، باقی بدون تغیر محض تحسین تو یہ مطلوب ہے، جبکہ تطریب کے متعلق مزید وضاحت فرماتے ہوئے طحطاوی فرماتے ہیں: تطریب یعنی اذان میں لہجہ و تحسین کی ایسی کوشش کرنا ہے جو کلمات اذان کے حروف، حرکات، سکنات میں تغیر کا یا حرفوں میں کمی بیشی کا باعث ہو یہ نہ تو اذان میں درست ہے نہ ہی قرءت قرآن میں اور اس کا سننا بھی جائز نہیں اس لئے کہ اس میں فساق کے فعل فسق سے تشبہ ہے۔ (طحطاوی ۱۰۷)

الحان وانغام

اس جگہ یہ بات قابل وضاحت ہے کہ لفظ تغنی دراصل عام ہے جو تغنی جائز و مطلوب اور تغنی ممنوع دونوں کو شامل ہوتا ہے، چنانچہ تلاوت کلام پاک سے متعلق تحسین و تزیین کے ارشادات میں ایک ﴿لیس منامن لم یتغن بالقرآن﴾ ہے، دیکھئے! یہاں تغنی بالقرآن کا مطالبہ ہے، تو دوسری طرف ﴿ایاکم ولحون اھل العشق ای الفسق واھل الکتابین﴾ بھی ہے، یعنی تزیین و تحسین اور تغنی کی ایسی کوشش جو حدود کو تجاوز کر جائے ناجائز اور ممنوع ہے، چنانچہ (سند الہند فی القراءت) حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ نے دودھ پانی کو الگ کرتے ہوئے دونوں کے حدود بیان فرمائے، اور اس کے لئے دو اصطلاح ذکر فرمائی ہے۔ (۱) الحان۔ (۲) انغام۔

قواعد موسیقیہ یعنی نغمہ سازی کے اصول وضوابط کی رعایت کرتے ہوئے خوش آوازی کی ایسی کوشش کرنا کہ برائے تحسین اگر کلمہ کے حروف وحرکات میں کمی بیشی کی بھی ضرورت پیش آجائے تو کرلے، مگر لہجہ کو خراب نہ ہونے دے یا انغام ہے، جیسا کہ شعراء کے یہاں ضرورت شعری کی وجہ سے ایسی کمی بیشی ہوتی ہے، تو لحان لوگ بغرض تلحسین حروف وحرکات میں کمی بیشی کرتے ہیں، گویا ان کے یہاں عبارت کے الفاظ کی سلامتی پر لہجہ کو ترجیح ہوتی ہے، جو کہ اصل عبارت والفاظ عبارت میں تغیر کا باعث ہونے کی وجہ سے بالاتفاق ناجائز ہے، جیسا کہ اذان میں آللہ اکبار، محآمد وغیرہ کو فقہاء نے لکھا ہے۔

تو ایک الحان ہے، یعنی اصل عبارت والفاظ عبارت کی صحت وحفاظت درستی وسلامتی کو مقدم قرار دیکر خوش آوازی وتحسین کی سعی کو اس کے تابع قرار دینا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خوش آوازی کی وجہ سے اصل الفاظ عبارت میں قطع وبرید اور کمی وبیشی ہوتی ہو تو ایسی خوش آوازی کو ترک کردیا جائے اور اصل الفاظ کی صیانت کا پورا لحاظ کیا جائے، اور لہجہ وتحسین اور تصحیح عبارت ان دونوں کو اس طرح جمع کرنا کہ تصحیح ودرستی کو مقدم قرار دیکر لہجہ کو اس کے تابع کرنا الحان ہے اور یہی شیٔ قرآن واذان میں مطلوب ہے، کہ اذان میں اعلان اور تحسین اس طرح ہو کہ کلمات اذان میں کوئی تغیر نہ ہو، چنانچہ ماقبل میں طحطاوی کی عبارت کا مقتضی بھی یہی ہے، اور اسی طرح کی عبارات متعدد فقہاء کرام کی کتب میں موجود ہیں، چنانچہ شرح نقایہ میں ولا یلحن کی شرح میں ہے، ﴿من باب التفعل ای لایغنی فیھابان نقص من الحروف اومن کیفیتھا وھی الحرکات والسکنات اوزاد فی شیء منھا، واما مجرد تحسین الصوت فھو حسن﴾ (ص ۱/۱۳۱) یعنی اذان میں ایسی تغنی وتحسین نہ ہو جو کلمات اذان کے حروف وحرکات وسکنات میں زیادتی یا نقصان کا باعث ہو، باقی نفس تحسین تو یہ ایک اچھی بات ہے۔

ظاہر ہے جو تغیر ناجائز ہے وہ کسی مستقل حرف کو بڑھانا ہے، جیسے. محامد اکبار یا حرکت کو بڑھانا، مثلاً اللهُ وْ، اشهدُوْ وغیرہ، لہٰذا حروف مدہ میں بوقت ضرورت "خواہ ضرورت لفظی ہو یا معنوی" مد کرنا کلمات میں تغیر نہیں کہلاتا بلکہ ایسا مد توصفت محسنہ ہوتا ہے، مثلاً جاء. دآبة میں بوجہ سبب لفظی جس طرح ایک الف سے زائد مد کرنے کو کوئی تغیر غیر جائز نہیں کہتا، اسی طرح سبب معنوی کے تحت ایک الف سے زائد مد کرنا بھی تغیر نہیں ہے۔

ایک ضروری وضاحت

کلماتِ اذان میں مد کے مانعین سے بعض کا خیال یہ ہے کہ لامِ جلالہ میں دو حرکت سے زائد مد کرنے سے مزید ایک الف کا اضافہ ہو جائے گا، یعنی لفظ اللہ میں لام کے بعد ایک الف ہے، اس میں اگر دو حرکت سے زیادہ مد کیا تو یہ الف ثانی و ثالث ہے، گویا کلمہ "اللہ" جو پانچ الف پر مشتمل ہے، اب زیادتی مد کی وجہ سے وہ چھ سات حروف کا ہو جائے گا۔

لیکن اس نظریہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، (۱) کیا 'دابة' کا کلمہ جو پانچ حرفوں پر مشتمل ہے اس میں طول یعنی پانچ الف کے بقدر مد کرنے سے اب وہ نو حرفی ہو جائیگا؟ ہرگز نہیں، (۲) کیا مسلسل دو تین الف کا اجتماع اداءً ممکن ہے؟ (۳) اور جب الف اپنے وجود میں ماقبل کے حرف کا محتاج ہوتا ہے، یعنی مخرج محقق سے نکلنے والے حرف کے سہارے کے بغیر وجود الف ممکن ہی نہیں ہے، تو اب لفظ اللہ کے الف میں درازی صوت کو دوسرے تیسرے الف سے تعبیر کرنے پر سوال یہ ہے کہ الفِ اول کا سہارا تو لام ہے، مگر الف ثانی، ثالث و رابع کا سہارا کون ہے؟ (۴) پھر کوئی بھی حرف مخرج وصفات لازمہ سے بنتا ہے، لہٰذا ذاتِ حرف کے لئے مخرج کا استعمال و اداءِ صفات

لابدی ہے، اگر کسی حرف کو ایک سے زیادہ مرتبہ اداء کرنا ہے تو اتنی ہی بار مخرج کا استعمال کر کے صفات کو ادا کرنا ہوگا، جبکہ لفظ اللہ کے الف کو پانچ الف کی بقدر دراز کرنے میں اس کا مخرج تو صرف ایک ہی مرتبہ استعمال ہوتا ہے اور صفات بھی ایک ہی مرتبہ اداء کی جاتی ہیں، بلکہ اختتام مدتک میں کبھی بھی پہلی مرتبہ مخرج وصفات سے فراغت ہی نہیں ہوتی کہ اس کو دوبارہ ادا کیا جائے اور وہ دو یا تین الف کہلا سکے۔ لہذا درازی صوت الف کو زیادتی حروف سے تعبیر کرنا اور محمد کی جگہ محامد کے قبیل سے قرار دینا درست نہیں ہے، جبکہ عالمگیری میں ہے ﴿ویستحب اطالة کلمات الاذان﴾ تو دوسری جگہ ہے ﴿ومدلام الله صواب﴾ (ص ۲/۷۲) کہ لام اللہ میں مد کرنا صحیح و درست ہے، ظاہر ہے کہ یہاں مد سے مراد قصر نہیں، کیونکہ قصر یعنی ایک الف کے بقدر مد سے تو حرف الف کی ذات وجود میں آتی ہے، اس کے بغیر تو الف کا بقاء ہی ممکن نہیں، اور لفظ اللہ کی مراد و معنی ہی ادا نہیں ہو سکتے، اس کے لئے صحیح و درست کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں بلکہ ﴿ومدلام الله صواب﴾ سے مراد یہ ہے کہ بغرض تحسین و تعظیم اور ہیبت علی غیر المسلمین ایک الف سے زیادہ مد کیا تو یہ بھی درست ہے، جس کی وضاحت خود عالم گیری میں ﴿ویستحب اطالة کلمات الاذان﴾ سے ہو رہی ہے۔

بلکہ قراء کرام کے یہاں عامۃً لفظ مد ایک الف سے زائد کھینچنے ہی کو کہا جاتا ہے، ابھی چند ماہ قبل ایک رسالہ[1] ﴿المدالتعظيمي لاسم الجلالة﴾

---

[1] اس رسالہ کے بارے میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں: مقالات مذکورہ کو احقر نے حرفاً حرفاً بہت غور سے سنا ماشاء اللہ بہت صحیح وعمدہ تحقیق ہے اللہ اس کو نافع بنائے اسی طرح کے توثیقی وتائیدی کلمات حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب سابق صدر مفتی ریاض العلوم گورینی اور حضرت مولانا قاری ظہیر الدین صاحب معروفی، نیز جناب مولانا قاری محمد اسمٰعیل صاحب صدر شعبہ تجوید وقراءت ریاض العلوم گورینی اور حضرت مولانا نیاز احمد صاحب مئوی کی طرف سے کتاب کی ابتداء میں محرر ہیں۔

ثانی موصول ہوا جس میں کلمات اذان بالخصوص لفظ اللہ میں مد کے جواز کو ثابت کیا گیا ہے، اور بدائع الصنائع (ج ۱/ص ۱۴۹) کے حوالے سے لکھا گیا ہے ﴿منہا ان یجہر بالاذان فیرفع صوتہ لان المقصود وھو الاعلام یحصل بہ الاتری ان النبی ﷺ قال لعبداللہ ابن زیدؓ علمہ بلالاً فانہ اندی وامد صوتاً منک ولھذا کان الافضل ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران کالمیذنۃ ونحوھا﴾ اذان میں سنت یہ ہے کہ بلند آواز سے کہے، کیونکہ اذان کا مقصد یعنی عام اعلان اسی سے حاصل ہو سکتا ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ ابن زیدؓ کو حکم دیا کہ یہ کلمات بلال کو سکھاؤ، ان کی آواز تم سے زیادہ بلند اور دراز ہے، اسی بنا پر افضل ہے کہ ایسی جگہ اذان دی جائے جہاں سے زیادہ لوگوں کے کان میں آواز پہنچ سکے، مثلاً منارہ وغیرہ۔

اس میں امد صوتا کی صراحت ہے، جس سے اذان میں مد صوت کا زیادہ مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز بدائع الصنائع (ج ۱/ص ۱۴۷) میں حدیث کا یہ جملہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہؓ کو حکم دیا کہ ﴿ارجع فمدبھما صوتک﴾ اور ابوداؤد شریف میں یہ الفاظ ہیں ﴿ارجع فامدد من صوتک﴾ یعنی دوبارہ کہو اور آواز بڑھا کر کہو۔

بدائع الصنائع (ج ۱/ص ۱۴۸) پر یہ عبارت ہے ﴿فانہ روی انہ 'ابو محذورہ' لما اذن وکان حدیث العھد بالاسلام قال مثلاً اللہ اکبر اللہ اکبر اربع مرات ومدصوتہ الی ان قال فلمابلغ الی الشھادتین فدغاہ رسول اللہ ﷺ وعرک اذنہ وقال ارجع وقل اشھد ان لاالہ الااللہ. واشھد ان محمداً رسول اللہ 'ومد بھما صوتک غیظاً للکفار﴾ مروی ہے کہ حضرت ابو محذورہؓ نے جب اذان کہی اور وہ ابھی نو مسلم تھے، تو اللہ اکبر اللہ اکبر چار مرتبہ بلند آواز میں کہا اور آواز بڑھا کر کہا، جب

شہادتین پر پہنچے تو شرما گئے اور آواز پست کی، رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور کان ملا اور فرمایا کہ دوبارہ 'اشهد ان لا اله الا الله. واشهد ان محمدا رسول الله' کہو اور آواز بڑھاؤ تا کہ کفار کو رنج ہو۔

اس میں تصریح ہے کہ ابو محذورہؓ نے اللہ اکبر میں آواز درازی کی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے شہادتین میں بھی ان کا حکم دیا تھا۔ (ص ۱۸)

تو حضرات فقہاء کرام نے بھی مختلف عبارات سے خوش آوازی کی طرف توجہ دلائی ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں ﴿الترجيع بالقرآن والاذان بالصوت الطيب طيب ان لم تردفيه الحروف وان زاد كره له﴾ یعنی خوش آوازی سے اذان کہنا امر مستحب و پسندیدہ ہے، جبکہ خوش آوازی کی کوشش میں کلمات اذان کے حروف میں کمی بیشی نہ ہو، اور اگر اس کوشش میں کسی حرف کی زیادتی لازم آئی تو ایسی خوش آوازی پھر مستحسن نہ ہوگی، مثلاً اللہ کی جگہ آللہ اور اکبر کی جگہ اکبار، چنانچہ کلمات اذان میں مد کے مانعین کی طرف سے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں، اس میں کچھ اسی قبیل سے ہیں، مثلاً یہ حضرات حاشیہ شلبی علی التبیین سے نقل کرتے ہیں ﴿قال الشيخ باكير عند قوله بلاترجيع ولحن يقال في القراءات حرب وترنم ماخوذ من الحان الاغاني. فلاينقص شيئاً من حروفه ولايزيدفي اثنائه حرفا وكذا لايزيد ولاينقص من كيفيات الحروف كالحركات والسكنات والمدات وغير ذالک لتحسين الصوت فامامجرد تحسين الصوت بلاتغييرفانه حسن. (انتهى)

شیخ باکیر بلا ترجیع ولحن کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قراءت میں طرب وترنم بولا جاتا ہے، جو گویوں کی لحانی سے ماخوذ ہے، لہذا اذان میں تحسین اس انداز سے ہو کہ کلمات اذان کے حرفوں میں کمی بیشی نہ ہو اور اسی طرح کیفیات یعنی حرکات وسکنات اور

مدات میں کمی بیشی نہ ہو، باقی ایسی تحسین جس سے کلمات میں کوئی تغیر نہ ہو تو یہ حسن ہے۔

عبارت میں ایسی تحسین کو ممنوع قرار دیا ہے، جس کی وجہ سے حرفوں میں کمی بیشی ہو یا بے موقع یعنی غیر مدہ میں مد کیا جائے، باقی حرف مدہ میں مد کرنا بے محل نہیں ہے، چنانچہ علامہ موسیٰ بازی اپنی کتاب "فتح الله بخصائص اسم الله" میں فرماتے ہیں:

قال فی العنایه ویحذف التکبیر حذفا ای لایمد فی غیر موضع المد، تکبیر کو حذف کے ساتھ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ غیر مدہ میں مد نہ کیا جائے، حاشیہ شلبی میں اس کی تفہیم کے لئے ایک روایت یوں نقل کی ہے۔

قد سئل الامام احمد بن حنبلؒ عنه ای عن اللحن فی القراء ت فکرهه ومنعه فقیل له لم؟ فقال للسائل ما اسمک؟ فقال محمد فقال ایعجبک ان یقال یاموحامَد! واذالم یحل فی الاذان ففی القراء ت اولیٰ﴾ (فتح / ۱ ص / ۹۰) بحواله خیر التقریر. امام احمد بن حنبلؒ سے قراءت میں لحن سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے لحن یعنی غلطی کو ممنوع قرار دیا، اس پر آپ سے وجہ ممانعت دریافت کی گئی تو آپ نے سائل سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے تو اس نے جواب دیا محمد، تو آپ نے اس سے کہا کہ کیا تم پسند کرو گے اس کو یوں کہا جائے یامحامد، جب یہ اذان میں درست نہیں ہے تو قراءت میں بدرجہ اولیٰ جائز نہیں۔

صاحب بحر الرائق (ص/۳۱۵) ابتداء صلوۃ میں تکبیر کی غلطیوں اور ان کے احکام پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿ومدلام الله صواب﴾ ظاہر ہے کہ یہاں مد سے مراد صرف قصر نہیں کیونکہ بلا قصر یعنی ایک الف کے بقدر مد کے بغیر تو لفظ اللہ اپنا مفہوم ہی ادا نہ کرپائے گا، جیسے رحمن، اللہ اس لئے یہاں مد سے مراد اس کی اپنی مقدار سے زیادہ امتدادی مقصد گفتگو ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ﴿ویستحب اطالة کلمات

الاذان﴾ کلمات اذان میں امتداد مستحب و پسندیدہ ہے، قارئین غور فرمائیں کہ کیا یہاں اطالت کلمات سے مراد قصر ہے؟ نہیں، بلکہ موقع قصر میں مزید طوالت و امتداد ہے، اور وہ گو قرآن کریم میں صحیح نہیں ہے، مگر اذان میں بغرض اعلان وتحسین مستحب ہے۔

کلمات اذان میں مد کے سلسلہ میں رسالہ ”البلاغ“ مضمون

ابھی چند سال قبل پاکستان سے شائع ہونے والے ایک مؤقر علمی پرچے 'البلاغ' میں اذان سے متعلق مسئولہ اکیس سوالات اور ان کے جوابات چھپے تھے، جن میں اولین سوال کلمات اذان میں مد سے متعلق تھا، جس کا جواب بشکریہ البلاغ یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

سوال: لفظ اللہ کے لام کو کتنا لمبا کیا جاسکتا ہے، بعض لوگ بہت زیادہ لمبا کرتے ہیں ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب: فقہائے کرام کی مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان میں لفظ 'اللہ' کے لام کو کھینچنا جائز ہے، اور حضرات قراء نے بھی اسباب مد میں مد تعظیمی میں لفظ اللہ کے مد کو شمار کیا ہے، چنانچہ حضرت اقدس قاری فتح محمد صاحبؒ نے زیادہ سے زیادہ سات الف کی مقدار کے برابر کھینچنے کی گنجائش لکھی ہے، اسی طرح مد متصل میں[1] بھی پانچ الف کے مقدار کے برابر کھینچ سکتے ہیں، ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لفظ اللہ کے لام کو بھی اگر پانچ الف کی مقدار کے برابر کھینچ لیا جائے تو درست ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ سات الف کے برابر کھینچنے کی گنجائش ہے، ﴿وفی فتح القدیر ومدلام اللہ صواب﴾ (ص/۲۵۸-ج/۱) ھکذا ایضافی الھندیۃ (ص/۵۳-ج/۱) وفی نھایۃ المراد فی شرح ھدیۃ ابن العماد الحنفی .

---

[1] یہ لفظ مد منفصل ہونا چاہئے کہ اذان میں کوئی مد متصل نہیں ہے۔

﴿ولومدلام الله فحسن مالم یخرج عن حدها﴾ کمافی التبیین، (ص/۲۸۰)
﴿وفی تبیین الحقائق وان کان المد فی لام الله فحسن مالم تخرج عن حدها﴾ (ص/۱۱۴-ج/۱) وفی فتاوی الرملی الفتاوی الکبری ﴿وفی التهذیب ولومد التکبیر بین اللام والهاء فی کلمة الله یجوز﴾ (ص/۱۳۱) ﴿وفی الاذکار للنووی واعلم ان محل المد بعداللام من الله ولایمد فی غیره﴾ (ص/۳۲)
﴿وفی زادالمحتاج بشرح المنهاج ولاتضر زیادة لاتمنع الاسم ای اسم التکبیر کالله الاکبر بزیادة اللام لانه لفظ یدل علی التکبیر وعلی زیادة مبالغة فی التعظیم﴾ (ص/۱۶۴ ج/۱) ﴿وهکذاایضافی مغنی المحتاج﴾ (ص/۱۵۱ ج/۱)
وفی مفتاح الکمال شرح تحفة الاطفال للمقری فتح محمدؒ، اسباب مد میں تبرد وتعظیم یعنی شان کی بڑائی ظاہر کرنا اور یہ لفظ اللہ میں ہوتا ہے، اس میں فقہاء نے سات الف کے برابر کی مقدار میں مد کرنا درست بتایا ہے۔ (ص/۲۶)
﴿وفی فتح الجواد لابن حجرالمکی وکذا زیادة مد الالف التی بین الام والهاء الی حد لایراه احد من القراء فی مایظهر لاضم الراء کمابینته فی الاصل﴾ (ص/۱۱۵-ج/۱)
﴿وفی نهایة المحتاج الی شرح المنهاج للشیخ محمدبن ابی العباس الرملی ولوزاد فی المدالالف التی بین اللام والهاء الی حد لایراه احد من القراء، وهوعالم بحال فی مایظهر ضرر ای فی قراءت غیرمتواترة اذ لایخرجه ذالک عن کونه لغة وغایة مقدار مانقل عنهم علی مانقله بن حجرسبع الفات، وتقدر کل الف بحرکتین وهوعلی التقریب، ویعتبر ذالک بتحریک الاصابع متوالیة متقاربة للنطق بالمد﴾ (ص/۴۴۰ ج/۱) ﴿وهکذا ایضافی

حواشى الشروانى على تحفة المحتاج بشرح المنهاج للعلامة ابن قاسم العبادى﴾ (ص/ ۴۰ ج/ ۲)

﴿وفى روضة الطالبين للنووى وان لايقصر التكبير بحيث لايفهم ولايمططه بان يبالغ فى مده بل يأتى به والاولى فيه الحذف على الصحيح وعلى الشاذ المد اولى﴾ (ص/ ۲۳۲ ج/ ۱)

﴿وفى مواهب الجليل شرح مختصر خليل لابى عبدالله محمد الحطابى قلت. ويبقى شىء لم ارمن نبه عليه، وهواشباع مدالف الجلالة التى بين الام والهاء فانه ليس ثم سبب لفظى يقتضى اشباع مدها فى الوصل، امااذاوقف عليها كما فى آخر الاذان والاقامة فالمد حينئذ جائز لالتقاء الساكنين، نعم ذكرابن الجزرىّ فى النشر فى باب المد والقصر ان العرب تمد عندالدعاء والاستغاثة وعندالمبالغة فى نفى الشئى، ويمدون مالااصل له بهذه العلة. انتهى﴾ (ص/ ۴۳۸ج/ ۱)

﴿وفى كشاف القناع عن متن الاقناع للشيخ محمدبن يونس الحنبلى. ولا تضرزيادة المد على الالف بين اللام والهاء، لانهاى زيادة المداشباع، لان اللام ممدودة فغاية انه زاد فى مد اللام ولم يأت بحرف زائد وحذفهاى حذفه زيادة المداولى لانه يكره تمطيطه ى التكبير﴾ (ص/ ۳۳۰ج/ ۱)

﴿وفى كتاب الفروع للامام محمدمفلح الحنبلى، ولايضرلو خلل الالف بين اللام والهاء لانه اشباع وحذفها اولى، لانه يكره تمطيطه والزيادة على التكبير قيل يجوز ويكره﴾ (ص/ ۴۰۹ ج/ ۱)

﴿وفى الحاشية قوله والزيادة على التكبيرقيل تجوزوقيل تكره، انتهى﴾

﴿وكذالك مثل قوله الله اكبر كبيرا. اوالله اكبرواجل اواعظم ونحوه احدهما

یکرہ، قطع بہ فی الرعایتین والھاوی الصغیروقدمہ فی الحاوی الکبیر، والقول الثانی یجوز قال فی المذھب ومسبوک الذھب جاز. ولم یستحب قال ابن تمیم لم یستحب. قال فی المغنی والشرح وشرح بن رزین وغیرہ. لوقال ذالک لم یستحب نص علیہ وصحت الصلوٰۃ فکلامھم محتمل للقولین.

﴿وقال المجا فی شرحہ لوقال ذالک صحت صلوتہ ولم یذکر کراھتہ ولاغیرھا﴾ (ص/۲۱۰ ج/)

﴿وفی کشف المخدرات للعلامۃ زین الدین عبدالرحمن البعلی ثم الدمشقی. وجھر المصلی بھا وبکل رکن واجب بقدر مایسمع نفسہ فرض. وتنعقد ان مد اللام لاان مد ھمزۃ اکبراوقال اکبار او الاکبر﴾ (ص/۶۸)

﴿وفی کوثر المعانی الدراری فی کشف خبایاصحیح البخاری للعلامۃ محمد الخضر الجکنی الشنقیطی. القہ علی بلال فانہ اندیٰ صوتامنک ای اقصدفی المد الاطالۃ والاسماع لیعم الصوت ویطول امدالتاذین فیکثر الجمع ویفوت علی الشیطٰن مقصودہ من الھاء الادمی عن الاقامت الصلوۃ فی جماعۃ﴾ (ص/۲۲۳ ج/۸)

﴿وفی فتح اللہ بخصائص اسم اللہ للعلامۃ موسی الروحانی وتوضح المقام ان المد فی التکبیر لایخلو اماان یکون فی اولہ او اوسطہ او اٰخرہ. فان کان فی اولہ کان خطاء ولکن لاتفسد الصلوۃ. وقال بعض مشائخنا یوھم الکفر وان کان فی اوسطہ فالصحیح انہ لایفسد الصلوۃ وان کان فی اٰخرہ فھو خطاء. لکن لایفسد ایضا﴾ (ص/۲۰۸)(البلاغ)

شد الدالۃ فی مدالجلالۃ:

تو حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی ملتانی مہاجر مدنی مدظلہ نے اپنی کتاب کمال الفرقان شرح جمال القرآن کے ختم پر ضمیمہ کے طور پر جو اہم مباحث کتاب کے آخر میں

ملحق فرمائے ہیں، ان میں سے ایک شد الدلالہ فی مد الجلالہ یعنی غیر قرآن میں لفظ جلالہ کے مد معنوی کے متعلق ایک ضروری بحث ہے، جس کو دلی تشکر کے ساتھ ہم نقل کرتے ہیں۔

لفظ جلالہ اللہ کا مد بحالت وصل مد اصلی ہے، جس کی مقدار باجماع اہل اداء دو حرکت یعنی ایک اَلف کے برابر ہے، اس لئے اداء تلاوت وقراءت قرآن کریم میں تو یک الف پہ زیادتی سراسر خلاف قاعدہ وممنوع ہے، البتہ غیر قرآن بالخصوص کلمات اذان میں اس زیادت مد اصلی کی ضرور وسعت وگنجائش ہے، تاکہ عظمت وجلالۃ شان اور مقصد اعلام ونداء بدرجۂ اتم حاصل ہو، اس پر ایک قوی شاہد وقرینہ یہ ہے کہ اہل عرب کے یہاں عند الذکر وعند الاستغاثہ وعند الدعاء مد معنوی کتب فن میں مصرح ومنصوص ہے، (۱) تفسیر الاتقان (ص/۹۷-ج/۱) نوع /۳۲ میں ہے ﴿واما السبب المعنوی فهو قصد المبالغة فی النفی وهو سبب قوی عند العرب، وهذا مذهب معروف عند العرب، لانها تمد عند الدعاء وعند الاستغاثة وعند المبالغة فی نفی شیء﴾

(۲) کتاب النشر فی قراءات العشر (ص/۳۴۵-ج/۱) للعلامة ابن الجزریؒ میں ہے۔ ﴿وقد استحب العلماء المحققون مد الصوت بلااله الاالله اشعارا بما ذکرنا وبغیره، قال الشیخ محیی الدین النوویؒ فی الاذکار ولهذا کان المذهب الصحیح المختار استحباب مد الذاکر قوله لااله الاالله لما ورد فیه من التدبر قال واقوال السلف وائمة الخلف فی مد هذا مشهورة﴾ والله اعلم انتهٰی۔

(۳) المنح الفکریة ص/۵۷ شرح المقدمة الجزریة لملاعلی بن سلطان محمد القاریؒ میں ہے، ﴿وهذا مذهب معروف عند العرب لانها تمد عند الدعاء وعند الاستغاثة﴾

(۱) اور رہا سبب معنوی تو وہ نفی میں مبالغہ کی نیت سے کیا جاتا ہے اور عرب کے یہاں یہ مد کا قوی سبب ہے اور مشہور مذہب ہے، اس لئے عرب دعائے استغاثہ اور نفی میں مبالغہ کی غرض سے مد کرتے ہیں۔ (۲) علامہ جزریؒ کی کتاب "النشر فی قراءات العشر (ج ۱/- ص/۳۴۵) میں ہے کہ علماء محققین نے وجہ مد مذکورہ کے تحت لا الہ الا اللہ وغیرہ میں مد کو پسندیدہ قرار دیا ہے (۳) ملا علی قاریؒ منح الفکریہ میں سبب معنوی سے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ عرب کے یہاں مشہور ہے کہ یہ حضرات دعاء واستغاثہ کے موقع پر مد کرتے ہیں۔

(۴) اسی قسم کی عبارت نہایۃ القول المفید فی علم التجوید ص/۱۳۱ للشیخ **محمد مکی النصر** میں بھی ہے، غور طلب امر یہ ہے کہ دعاء سے مراد عام پکار ہو تو اذان بھی نماز کے لئے نداء و پکار ہے، اور اگر اس سے مراد خاص دعاء من اللہ ہے تو "**یا رب**" "**یا اللہ**" "**اللھم**" میں مدیت و درازی ثابت ہوئی پس اذان کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا، اور اس کے لئے دوسری نظیر مؤید یہ ہے کہ اسم الجلالہ کی بعض لفظی خصوصیات ہیں، مثلاً دوسرے لامات کے خلاف بعد از فتحہ وضمہ لام جلالہ کی تفخیم وتغلیظ اسلئے ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کے اسم اعظم کی شان وعظمت وضخامت اور بزرگی ظاہر ہو، فکذ اھذا (۳) علاوہ ازیں گو لفظ اللہ کے مد معنوی غیر قرآنی کا صریحاً ذکر فن کی کسی قدیم عربی مستند کتاب میں تو نظر سے نہیں گزرا، مگر بعض جدید اردو رسائل میں اسکا صریح ذکر موجود ہے، جو محض مؤید کے درجہ میں کسی حد تک کافی ثبوت ہے، چنانچہ جواہر التجوید ص/۳۱-۳۲ میں ہے، مد تعظیمی جسکو مد مبالغہ بھی کہتے ہیں اسواسطے ہے کہ اس مد میں اللہ جل شانہ کی تعظیم وعظمت وشان جلالت معلوم ہوتی ہے، جو اسم جلالہ ﴿اللہ، رحمن، قہار﴾ وغیرہ میں کیا جاتا ہے، لیکن کسی قاری کے نزدیک قرآن مجید میں معمول ومختار نہیں، مقصد یہ ہے کہ یہ مد معنوی غیر قرآن میں مستحسن ہے، نہ کہ قرآن

مجید میں، اسی سے ملتی جلتی عبارت مجموعہ زینت القاری میں بھی ہے۔

(۲) اور مختصر التجوید ص ۱۸/ مؤلفہ حضرت قاری قادر بخش صاحب پانی پتیؒ میں ہے ’اور بعض قاری اللہ کے نام میں تعظیم سے مد کرتے ہیں اور رحمٰن میں بھی مد کرتے ہیں اس واسطے کہ مد کرنے میں تعظیم زیادہ تر حاصل ہوتی ہے لیکن معمول نہیں (یعنی قرآن میں مستعمل نہیں) الخ

(۳) امام القراء حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتیؒ . پنے معرکۃ الآراء رسالہ تجوید ’ تحفۂ نذریہ ‘ ص ۴۶/ میں فرماتے ہیں ”چہارم مد تعظیم چنانچہ بعضے دراسم ”اللہ“ ورحمٰن مدی کشند اھ اور

(۴) مؤلف علم الصیغہ حضرت مولانا مفتی عنایت احمد کاکوریؒ ﴿البیان الجزیل للترتیل﴾ میں ارشاد فرماتے ہیں ایک اور موقع مد کا ہے جس پر وہی لوگ قادر ہیں جو معانی سے واقف ہیں، وہ یہ ہے کہ موقع عظمت وجلال میں یا اور کسی جگہ جو قابل اہتمام ہو مد کرے مثلاً ﴿للہ الواحد القھار﴾ کے سب الفوں پر مد کرکے بہ ہیئت عظمت پڑھے، یا ﴿ان الابرار لفی نعیم﴾ میں ابرار کے الف اور فی کی یا پر مد کرے، امام جلال الدین سیوطیؒ نے بھی الاتقان میں یہ موقع مد کا ذکر کیا ہے‘ اھ (کمال الفرقان)

نیز خود قرآن کریم میں عشرۂ کبیر میں بطریق حیبہ امام حمزہؒ کے یہاں لاریب فیہ سے لا جس کے بعد کوئی سبب لفظی نہیں ہے پھر بھی توسط کیا جاتا ہے، معلوم ہوا مد معنوی عند العرب وعند القراء معتبر ہے، اور یہ مد معنوی جہاں نفی میں مبالغہ کے لئے ہے عظمت وجلال کے مواقع میں بھی ہے، جیسا کہ علامہ جزری سیوطی اور مفتی عنایت احمد صاحب علیہم الرحمۃ والرضوان کے حوالے سے گزرا کہ اسی طرح دعاء واستغاثہ کے موقع میں بھی مد کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اذان نماز کے لئے دعوت ہے، لہذا غیر قرآن واذان جیسے

اعلان ودعوت میں لفظ اللہ پر مد کرنا جائز ہے۔

ویسے اذان میں مد کے متعلق اختلاف کا جائزہ لینے سے ایک بات تو یہ واضح ہوتی ہے کہ اذان کے وہ کلمات جنمیں بوجہ وقف مدعارض ہے انمیں مد کرنا تو کوئی محل اختلاف نہیں ہے، محل اختلاف دراصل اللہ اکبر کا اسم جلالہ یعنی لفظ اللہ ہے، چنانچہ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہاں مد فرعی یعنی ایک الف سے زائد مد کے لئے سبب مد ہمزہ و سکون سے کوئی نہیں ہے، لہذا اصول تجوید کی رو سے مد کرنا جائز نہیں ہے۔

تجوید کا موضوع

تو یہ صحیح ہے کہ مد کے اسباب لفظیہ سے یہاں کوئی سبب نہیں ہے لہذا مد نہ ہونا چاہیے، مگر غور طلب امر یہ ہے کہ اصول ومسائل تجوید کا موضوع کیا ہے؟ چنانچہ صاحب نہایۃ القول المفید فرماتے ہیں ﴿واماموضوعه فالقرآن وقال بعضهم والحديث﴾ (ص/۱۵) یعنی مسائل تجوید کا موضوع تو دراصل قرآن ہے مگر بعضوں نے کہا ہے کہ قرآن وحدیث دونوں ہے، معلوم ہوا کہ حدیث کو بھی تجوید کا موضوع قرار دینا یہ صرف بعض کی رائے پر ہے لہذا ضعیف ہے، جبکہ اکثر کی رائے میں صرف قرآن ہے، حدیث نہیں، یہی وجہ ہے کہ احادیث النبی ﷺ کی تلاوت کرنے والا کوئی بھی تالی ”خواہ وہ دونوں میں سے جس مکتب فکر کا ہو“ تلاوت احادیث میں مسائل تجوید کی رعایت کا اہتمام نہیں کرتا، چنانچہ تلاوت احادیث میں غنہ، مد، تفخیم، ترقیق، وغیرہ کا اہتمام کون کرتا ہے؟ اور نہ اسکو ضروری قرار دے کر عدم رعایت کو کوئی ناجائز کہتا ہے، معلوم ہوا کہ تجوید کا موضوع صرف الفاظ قرآن ہیں، نہ معلوم وہ بعض کون ہیں جو احادیث کو تجوید کا موضوع قرار دے کر تلاوت احادیث میں اصول تجوید کی ایسی رعایت کرتے ہوں جو قرآن کریم میں کی جاتی ہے، پھر نہ معلوم انکو صرف

کلمات اذان میں اصول تجوید کے اجراء پر اس قدر اصرار کیوں ہے؟
پھر مزید غور فرمائیں کہ تجوید کیلئے جو آیت کریمہ ماٰخذ کی حیثیت رکھتی ہے یعنی ﴿ورتل القرآن ترتیلا﴾ اس میں بھی قرآن ہی کو تجوید کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے، نیز جس روایت کو بطور ترہیب کے پیش کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو ﴿رب قاری للقرآن والقرآن یلعنہ﴾ میں صرف قرآن کا ذکر ہے نہ کہ احادیث کا۔
فائدہ: ملا علی قاریؒ شرح جزری میں لکھتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے اس روایت سے تجوید کے سیکھنے کے لازم وضروری ہونے پر استدلال کیا ہے، یہ حدیث اگرچہ محدثین کے اصل کے مطابق ثابت نہیں، لیکن محقق علامہ نے اس مسئلہ کی بنیاد تسلیم کی ہے۔
پھر ادھر صاحب نہایہ نے احادیث کو بھی تجوید کا موضوع قرار دینا ﴿قال بعضھم﴾ سے بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احادیث نبویہ ﷺ کو تجوید کا موضوع قرار دینا راجح قول کے مقابل قول مرجوح ہے، تاہم ہمارے علم میں ابتک کوئی ایسا فرد نہیں ہے جو احادیث کی تلاوت میں اصول تجوید کا ایسا اہتمام کرتا ہو جیسا کہ تلاوت کلام پاک میں کیا جاتا ہے۔

صاحب نہایہ کی رائے

اس جگہ اذان میں مد کے مانعین کی طرف سے صاحب نہایہ کی یہ عبارت بڑی قوت سے پیش کی جاتی ہے کہ موصوف اپنی اس تصنیف میں مد اصلی کی مقدار پر گفتگو کے دوران تحریر فرماتے ہیں
﴿فمایفعلہ بعض ائمۃ المساجدواکثر المؤذنین من الزیادۃ فی المد،فمن اقبح البدع لاسیما وقدیقتدی بھم بعض الجھلۃ من القراء﴾ (ص/۱۶۶)
ترجمہ: لہذا بعض ائمہ مساجد اور اکثر مؤذنین مد اصلی کو قصر سے جو زیادہ دراز کرتے ہیں یہ قبیح ترین بدعت ہے بالخصوص جبکہ بعض ناواقف قراء ان کی تقلید اور اتباع کرتے ہیں۔

لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ اولاً تو یہ گفتگو تلاوت قرآن میں مدِ اصلی کی مقدار میں اضافہ پر نکیر کے قبیل سے ہے، جس میں ضمناً مؤذنین پر بھی تبصرہ فرمایا ہے، مگر خود مبصر موصوف نے شروع میں جب مسائل تجوید کا محور بقول اکثر صرف قرآن کریم کو قرار دیا ہے اور وہاں اپنی کسی رائے کا اظہار بھی نہیں فرمایا ہے، لہٰذا اب موصوف محترم کا دوران قراءت ائمہ حرم کے مدِ اصلی میں ایک الف سے زائد مد کرنے پر تبصرہ تو معقول ہے، لیکن مؤذنین کی اذان جو کہ غیر قرآن ہے، کے مواقع مدِ اصلی میں ایک الف سے زائد مد کو اصول تجوید قرآنیہ پر قیاس کر کے ان پر نکیر کرنا کیسے قابل قبول ہوگا؟ کیوں کہ یہ غیر قرآن کو قرآن پر قیاس کرنا ہے جو قیاس مع الفارق ہے۔

مؤذنین پر نکیر میں ملا علی قاریؒ کا اعتدال

چنانچہ مذکورہ مواقع مدِ اصلی میں ایک الف سے زائد مد پر ملا علی قاریؒ کی عبارت اور آپ کا تبصرہ جو آپ نے اپنی ’المنح الفکریہ شرح المقدمۃ الجزریۃ میں فرمایا ہے، بہت زیادہ موزوں قرین قیاس اور معتدل ہے آپ فرماتے ہیں ﴿وکذا اذازاد فی الاصلی والطبعی علی مده العرفی من قدر الالف بان جعله قدر الفین او اکثر کمایفعله اکثر الائمة من الشافعية والحنفية فی الحرمين الشريفين فی الحرم المحترم فانه محرم قبيح لاسيما وقد يقتدى بهم بعض الجهلة﴾

ترجمہ: اسی طرح جب مدِ اصلی یا طبعی کے مواقع میں ایک الف سے زیادہ مد کیا اور وہ مد دو یا تین الف تک کر لیا جیسا کہ حرمین شریفین میں اکثر ائمہ احناف وشوافع کرتے ہیں تو یہ ناجائز ہے بالخصوص جبکہ بعض جہلاء ان ائمہ حرم کی مد کرنے میں اقتداء بھی کرتے ہیں۔

دیکھئے ملا علی قاریؒ نے ائمہ حرمین شریفین کے مقدار مدِ اصلی میں ایک الف سے زائد مد کرنے پر جو نکیر فرمائی وہ بالکل بجا ہے، کہ اصول تجوید کا محور تو قرآن ہے، اگر اسی میں

رعایت نہ ہو اور مرکز اسلامی میں اگر اس طرح کی آزادی ہوگی تو وہ پورے عالم اسلام کے لئے حجت ہو جائیگی، اور اس طرح علم تجوید کی یہ مضبوط عمارت جسکی مضبوطی و حفاظت امت و علماء امت صدیوں سے کرتے آئے ہیں منہدم ہو جائیگی، مگر غور فرمائیں کہ عبارت میں مؤذنین کو شامل نہیں فرمارہے ہیں جو دراصل صرف قرآن کے موضوع تجوید ہونے کے نکتہ کا لحاظ ہے، نیز غیر قرآن میں اس طرح کے مد وارد ثابت بھی ہیں، اور اسکی اجازت بھی ہے جس کی تفصیل ابھی کچھ بعد میں ہم کرنے جارہے ہیں۔

اور ملا علی قاریؒ کے پیش نظر مؤذنین کی اذان کا وہ جزء بھی ہے جو قابل نکیر ہے، چنانچہ آگے چل کر آپنے مقدار طول پر گفتگو فرماتے ہوئے پانچ الف سے زیادہ طول پر جب نکیر فرمائی ہے تو وہاں بعض الائمۃ واکثر المؤذنین کو اس نکیر کا خصوصی مورد قرار دیا ہے، لیکن مد اصلی کے قصر میں ایک الف سے زیادہ مد کرنا گو کہ قرآن کریم میں غلط ہے، لیکن اذان میں بوجہ اعلان و تحسین اسکی گنجائش ہے، اسی لئے آپنے اس نکیر میں صرف ائمہ حرم کو خاص فرمایا، اور مؤذنین کو ذکر نہیں فرمایا ورنہ آپ دونوں مواقع میں ائمہ حرم کی طرح مؤذنین کو بھی شریک نکیر فرماتے، معلوم ہوا کہ آپ کے یہاں مؤذنین کا مواقع طول میں پانچ الف سے زیادہ مد کرنا تو قابل تنبیہ ہے، مگر مواقع قصر میں ایک الف سے زیادہ مد کرنا قابل تنبیہ نہیں ہے، اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انداز نکیر و تعبیر تو تقریبا صاحب نہایۃ نے ملا علی قاری کا اختیار فرمایا ہے، مگر مؤذنین کو شریک کر کے مسائل تجوید کے موضوع کی نزاکت کا وہ خیال نہیں کر سکے، جو ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے کہ مد اصلی کی مقدار اصول تجوید میں گو ایک ہی الف ہے مگر اصول تجوید کا موضوع عملا سب کے یہاں اور علماء جمہور کے نزدیک صرف قرآن ہے نہ کہ اذان بھی اور اس طرح صاحب نہایۃ کی دونوں عبارتوں میں باہم تضاد بھی ہو گیا کہ شروع میں احادیث کو تجوید کے موضوع میں قال **بعضھم** سے شریک کیا تھا اور وہاں اپنی کسی رائے کا

اظہار بھی نہیں فرمایا کہ ہم احادیث نبویہ ﷺ کی تلاوت میں اصول تجوید کی ایسی ہی رعایت کے قائل ہیں جیسی قرآن کریم میں کی جاتی ہے، لہذا مؤذنین کا مواضع مد اصلی میں ایک الف سے زائد مد کرنا اگر آپ کی رائے میں قابل نکیر ہے تو موضوع کے باب میں یہ وضاحت ضروری تھی کہ ہمارا میلان قال بعضهم کی طرف ہے، نیز اذان میں ایک الف سے زائد مد کرنا اگر اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل تنبیہ ہے بھی تو خلاف جمہور بعض کی رائے میں ہے نہ کہ علی الاطلاق، اسلئے مطلقاً نکیر محل نظر ہے لہذا ضروری تھا کہ اس نکیر کو بعض کی رائے کے ساتھ خاص کیا جاتا۔

پھر صاحب نہایہ کی عبارت میں بیان شدہ ممانعت کو لام اسم الجلالہ کے ساتھ خاص کردینا بھی بعد کے لوگوں کی طرف سے ہے، ورنہ جیسے کہ قاری محمد طاہر صاحب رحیمی مہاجر مدنی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ عبارات خاص لفظ الجلالہ کے بارے میں مبہم اور محض بطور عموم واطلاق کے مشعر ممانعت زیادت علی المد الاصلی فی لفظ الجلالہ ہیں، اسلئے کہ ظاہر ہے کہ اس میں بالخصوص لفظ الجلالہ کے متعلق اس ممانعت کا صریحا کوئی ذکر قطعی موجود نہیں، اس بنا پر احتمال ہے کہ یہ ممانعت غیر لفظ الجلالہ کے مد اصلی کی بابت ہو، مثلاً الٰہ، رسول (یہ دونوں مدود اصلیہ اذان میں ہیں) اور قد قامت الصلوۃ پہلا اور حیی علی الفلاح پہلا یا اقامت میں نہ کہ اذان میں، نیز ممکن ہے کہ یہ عبارت (صرف) ائمہ حرم والی شق میں متعلق بالقرآن ہو، اور واضح ہے کہ قرآن میں ایک الف سے زیادہ مدّ اصلی ممنوع ہے۔

نیز احتمال ہے کہ اس زیادتی سے مد اصلی میں وہ زیادتی مقصود ہو جس میں افحاش وافراط وغلو ہو، کہ کلمہ منہاج عربیت ہی سے خارج ہو جائے اور مد میں ایسی زیادتی قطعاً ممتنع ہے، ﴿کما فی الشرح/۱ص/۱۳۵ من غیر افحاش ولاخروج عن منهاج العربية﴾ یعنی مد کی مقدار میں حد سے تجاوز وغلو نہ ہو کہ لفظ عربیت کے منہاج وطریق

سے ہی خارج ہوجائے، کہ اسکو بہت زیادہ کھینچ دیا جائے، یہ یقیناً ناجائز وغلط ہے۔

ممانعت مد کے مستدلات کا جائزہ

یہاں مانعین کی طرف سے حضرات فقہاء کرام کی عبارات بھی بطور تائید پیش کی جاتی ہیں، ہم اس جگہ ان کو نقل کرتے ہیں تاکہ ان پر غور وفکر ہو، اور معتدل راہ کی تعیین میں مدد مل سکے۔

﴿وفی السعایة ص/۱۴۸ ج/۲ تحت قول الماتن فاذا اراد الشروع کبر حاذفا المراد بالحذف الاسراع وترک المد کماذکرہ الشارح، وفی الحلیة اعلم ان المسنون حذف التکبیرسواء کان للافتتاح اوفی اثناء الصلوۃ، قالوالحدیث النخعی موقوفاعلیه ومرفوعا الاذان جزم والتکبیرجزم انتهی، وفی المقاصد الحسنة للسخاوی حدیث التکبیرجزم لااصل له فی المرفوع مع وقوعه فی کتاب الرافعی وانماهومن قول ابرهیم النخعیؒ حکاہ الترمذی فی جامعه عه عقیب حدیث حذف السلام سنة، ومن جهته رواہ سعید بن مصور فی سننه بزیادۃ والقرءۃ جزم والاذان جزم وفی لفظ عنه کانوایجزمون التکبیراہ.

واختلف فی لفظه ومعناہ فجزم شیخ صاحب السعایة بعد اقامة النظر فی معان اُخر بان المراد بحدف السلام وجزم التکبیر. الاسراع رجح صاحب السعایة هذا المعنی بروایات فقال وقد اسند الحاکم عن ابی عبد الله انه سئل عن حذف السلام فقال لایمد. (سعایہ ج/۲-ص/۱۴۸) ماتن کے قول " فاذا اراد الشروع کبرحاذفا" کی شرح میں یہ بات منقول ہے کہ حذف سے مراد جلدی کرنا اور مدنہ کرنا ہے، اور حلیہ میں ہے کہ مسنون طریقہ تو تکبیر کو بلا مد کہنے کا ہی ہے، چاہے وہ تکبیر تحریمہ ہو یا تکبیرات انتقالیہ، یہ حضرات امام نخعیؒ کے اثر حدیث "الاذان جزم والتکبیرجزم" کی وجہ سے اس بات کے قائل ہوئے ہیں جو ان سے موقوفا اور مرفوعا دونوں طرح بیان کی گئی ہے، مگر علامہ سخاویؒ کی "المقاصد

الحسنة " میں ہے کہ "التکبیر جزم" والی حدیث کی مرفوعات میں کوئی اصل نہیں ہے، اگر چہ امام رافعیؒ کی کتاب میں وہ موجود ہے، وہ تو ابراہیم نخعی کا اثر ہے، جسے امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں حدیث "حذف السلام سنة" کے بعد ذکر کیا ہے، اور سعید بن جبیرؒ نے اپنی سنن میں ابراہیم نخعی ہی کے طریق سے اس روایت کو بیان کیا ہے، اور اس میں "والقراءة جزم والاذان جزم" کی زیادتی بھی ہے، اور ان سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ صحابہ اور تابعین اور بغیر مد کے تکبیر کہتے تھے۔

معلوم ہوا کہ اس حدیث کے الفاظ و معنی دونوں میں اختلاف ہے، اور صاحب سعایہؒ اس حدیث سے مراد لئے جانے والے تمام معانی میں بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ حذف السلام و جزم التکبیر سے مراد مد نہ کرنا ہے، اور صاحب سعایہ نے اس معنی کو چند روایتوں کی بنیاد پر ترجیح دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ حاکمؒ نے ابو عبد اللہؒ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ان سے حذف سلام کی وضاحت کے سلسلہ میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مد نہیں کیا جائیگا۔

تکبیرِ تحریمہ اور تکبیرِ اذان کے مابین فرق

مانعین مد کی طرف سے اپنے فکر کی تائید کے لئے پیش کی گئی عبارت بالا پر غور فرمائیں کہ جب نماز شروع کی جائے تو تکبیر حذف مد سے کہیں، ظاہر ہے کہ اولاً یہ تکبیر حاضرین کے لئے ہے، لہذا یہاں ایسے اعلان کی ضرورت نہیں جو اذان میں ہے، کیونکہ وہ غیر حاضر و غیر متوجہ لوگوں کے لئے ہے، جبکہ مقتدی یہاں تو سراپا توجہ و منتظر تکبیر ہوتا ہے۔

(۱) پھر اذان و تکبیر تحریمہ میں غور فرمائیں تو ایک فرق یہ بھی ہے کہ گو صوتی ابلاغ دونوں میں مطلوب ہے، تاہم اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنے کو بہ بنائے حدیث مستحب کہا گیا ہے، تاکہ آواز مزید بلند ہو جبکہ تکبیر تحریمہ میں یہ بات نہیں، پھر

حیعلتین کے وقت دونوں جانب گھومنے کو کہا گیا ہے کہ ہر طرف کے لوگ اذان کی آواز سن سکیں، اور یہ دونوں چیزیں تکبیر میں نہیں۔

(۲) نیز یہ کوئی ایسا رکن بھی نہیں جس کے لئے کچھ وقت درکار ہو، لہذا مد کی کوئی ضرورت بھی نہیں، اسی لئے اس میں امتداد کسی بھی جماعت کو مطلوب نہیں ہے۔

(۳) پھر عبارت میں بوقت سلام بھی حذف یعنی ترک مد کو کہا گیا ہے، تو سلام بھی کوئی ایسا رکن نہیں جس میں تاخیر وامتداد مطلوب ہو، چنانچہ کسی جماعت کا سلام میں بھی مد کے لئے اصرار نہیں ہے، اور اگر کوئی کرتا ہے، یہ سلام میں ورحمت اللہ کے مد عارض میں حد سے متجاوز مد کرتا ہے، تو اسکا یہ عمل خلاف امتداد و بلاوجہ ہے، البتہ یہاں ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ لوگ سلام میں صرف ترک مد کی عبارت پیش کرتے ہیں، جبکہ آگے ترک مد کی ایک وجہ بھی فقہاء نے ذکر کی ہے، جس کو ملاحظہ فرمائیں۔

﴿وقیل معناه اسراع الامام به لئلا یسبقه المأموم﴾ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام سلام میں لمبا مد کریگا، تو ممکن ہے کہ کوئی مقتدی امام سے سبقت کر جائے، اور دوسرے سلام کی طرف آزادانہ قبل از امام منتقل ہو جائے، (جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں) تو موقع سلام میں حذف مد کی اس تقریر و توجیہ پر غور فرمائیں کیا صرف ایک الف سے زائد دو تین الف مد کرنے ہی میں یہ قصہ پیش آجائیگا؟ نہیں، بلکہ مد عارض میں طول سے تجاوز پر ہی اس کے ہونے کا امکان ہے، پھر سلام سے متعلق عبارت سے اذان میں ترک مد پر استدلال صحیح ہوگا؟ کیا اذان میں لئلا یسبقه المأموم کی علت ہے؟ بلکہ فقہاء کرام نے تو اللہ اکبر میں با کے بعد مد کرتے ہوئے اکبار کی غلطی میں بھی تمیز کی ہے، کہ اگر یہ غلطی ابتداء صلوۃ میں تکبیر کہتے ہوئے کسی نے کی تو نماز ہی شروع نہ ہوگی، جبکہ یہی غلطی اگر مؤذن کرتا ہے تو گو یہ غلط ہے، مگر اذان کا اعادہ ضروری نہیں ہے، چنانچہ سعایہ ہی کی عبارت میں اس کو ملاحظہ فرمائیں، ﴿وفی

النهاية لوادخل المبلين الباء والراء فى لفظ اكبرعند افتتاح الصلوة لايصير شارعافى الصلوة بخلاف مالو فعل المؤذن في اذانه حيث لاتجب الاعادة وان كان خطاء لان امر الاذان اوسع كذافى الجامع الصغير للامام المحبوبى﴾ اگر کسی نے نماز شروع کرتے ہوئے بجائے اللہ اکبر کے اللہ اکبار الف کے ساتھ کہا تو اس کی نماز ہی شروع نہ ہوگی اور تکبیر کا اعادہ واجب ہے، جبکہ اگر یہی غلطی مؤذن نے اذان میں کی تو گو غلط ہے مگر واجب الاعادہ نہیں ہے اس لئے کہ اذان میں توسع ہے جیسا کے امام محبوبی کی جامع الصغیر میں ہے۔

معلوم ہوا کہ اذان میں توسع ہے، لہذا تکبیرات صلوۃ پر اذان کو پورے طور پر قیاس کرنا مزاج فقہاء کے بھی خلاف معلوم ہوتا ہے، پھر بالخصوص تکبیر تحریمہ پر۔

نیز اذان میں ترک مد پر بطور استدلال جو عبارات پیش کی گئی ہیں ان میں اکثر وہی ہیں، جو نماز کی تکبیر تحریمہ کے موقع پر لفظ اللہ کے مد سے متعلق ہے، اور ان عبارات کو کلمات اذان میں ترک مد کے لئے بطور استدلال پیش کیا ہے۔

چنانچہ اذان کے لفظ اللہ میں مد کے غیر صحیح ہونے کے لئے بطور دلیل مزید ایک عبارت طحطاوی علی مراقی الفلاح سے یہ پیش کی جاتی ہے، ﴿وفى حاشيه الطحطاوى على المراقى فى صفة الصلوة وان كان المد فى وسطه اى فى اللام الثانية من الجلالة فهوصواب، الا انة لايبلغ فيه، فان بالغ زيادة على الطبعى وهوقدر حركتين كره، ولا تفسدعلى المختاركمافى ابن امير الحاج وفى السراج انه خلاف الاولى اه فالكراهة للتنزيه. ص/۱۵۲﴾ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے کہ اگر لفظ اللہ کے دوسرے لام کے بعد والے الف میں مد کیا تو یہ صحیح ہے لیکن مد میں مبالغہ اور غلو نہ ہونا چاہیے، اور اگر کسی نے مد طبعی سے زیادہ مد کیا تو یہ مکروہ ہے، اور مختار قول کے بموجب مفسد صلاۃ نہیں ہے۔

اس سے نیز اس طرح کی بیشتر عبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے بیشتر جگہ نماز کے لفظ اللہ کا حکم اذان کے لفظ اللہ پر چسپاں کیا ہے، جس کا قیاس مع الفارق ہونا ماقبل میں واضح ہو چکا ہے، نیز اس پر صاحب سعایۃ کی عبارت بھی پہلے گزر چکی ہے۔

قراءت کا ایک باریک نکتہ

یہاں قراءت کا یہ باریک نکتہ بھی پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ ایک الف کے مقدار بھی احوالِ قراءت کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے چنانچہ ترتیل کا ایک الف حدر کے ایک الف سے طویل ہوگا، تو حدر کا ایک الف ترتیل سے مختصر ہوگا چنانچہ جامعہ بغداد کے مشہور ترین استاد غانم قدوری اپنی کتاب " الدراسات الصوتیۃ عندعلماء التجوید " میں لکھتے ہیں " ولایکران الاخذ بالترتیل اتم مداً وتحریکاً واسکاناً من الاخذبالحدر " (ص/۵۶۱)

معلوم ہوا کہ جس طمانیت کے ساتھ امتداد اور مد ترتیل میں ہوتا ہے اتنا طویل امتداد حدر میں نہیں ہوتا جیسا کہ شیخ حسینی شیخ عثمان اپنی تصنیف حق التلاوۃ میں تحریر فرماتے ہیں، ولماکانت مراتب التلاوۃ الثلاث. التحقیق، والتدویر، والحدر، والتی یعمھا لفظ الترتیل تتفوت فی سرعۃ اداء التلاوۃ وبطئہ. (ص/۱۵۶)

لہٰذا گو حروفِ مدہ کی مقدار یوں تو ایک الف ہے مگر ترتیل کا ایک الف طویل ہوتا ہے بنسبت حدر کے، اور جب حقیقت یہ ہے تو اب سمجھنا چاہئے از ان باعتبارِ رفتار کے اقامت اور تکبیرِ تحریمہ سے کم ہے اور سست رفتاری کا ایک الف تیز رفتاری کے ایک الف سے طویل ہوتا ہے۔

لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بایں ہمہ آزادانہ اور حدِ سانس تک مد کرنا یہ کہیں ثابت نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی جوز ہے لہٰذا یہ تو بہر حال قابلِ اصلاح ہے۔

تکبیرات انتقالات میں مد

چونکہ اذان کی طرح نماز کی تکبیرات کا مسئلہ بھی موضوع بحث بنا ہوا ہے، لہذا اس سے متعلق ضروری وضاحت کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

التکبیر حزم: بعض حضرات نے التکبیر جزم سے تکبیرات انتقالات میں مطلقاً مد نہ ہونے پر استدلال کیا ہے، اور بطور تائید حلیہ کی یہ عبارت پیش فرمائی ہے،

"وفی الحلية اعلم ان المسنون حذف التكبير سواء كان للافتتاح او فی اثناء الصلاة قلوا لحديث النخعی موقوفاعليه اومرفوعاً الاذان حزم والتكبير جزم.

حالانکہ اولاً اس جملہ کے غیر مرفوع ہونے پر جملہ محدثین کا اتفاق ہے، جس پر علامہ سخاویؒ نے المقاصد الحسنۃ میں سیر حاصل بحث فرمائی ہے، جو درج ذیل ہے۔

"التكبيرجزم لااصل له فی المرفوع مع وقوعه فی الرافعی وانما هومن قول ابراهيم النخعی حكاه الترمذیؒ فی جامعه عنه عقب حديث (حذف السلام سنة) فقال مانصه. وروی عن ابراهيم النخعی انه قال: التكبير جزم، والتسليم جزم، ومن جهته رواه سعيدابن منصورفی سننه بزيادة والقراءة جزم، والاذان جزم، وفی لفظ عنه كانوا يجزمون التكبير واختلف فی لفظه ومعناه. فقال الهروی فی الغريبين: عوام الناس يضمون الراء من الله اكبر، وقال ابوالعباس المبرد: الله اكبر الله اكبر، ويحتج بان الاذان سمع مرقوفاً غيرمعرب فی مقاطعه، وكذاقال ابن الاثير فی النهاية معناه: ان التكبير والسلام لايمدان: ولايعرب التكبير، بل يسكن آخره، وتبعه المحب الطبری، وهومقتضی كلام الرافعی فی الاستدلال به علی ان التكبيرجزم لايمد، وعليه مشی الزركشی، وان كان اصله الرفع بالخبرية، ويمكن الاستشهادله بمااخرجه انطالسی فی

مسنده من طريق ابن عبدالرحمن بن ابزى عن ابيه قال: صليت خلف النبی ﷺ فكان لايتم التكبير، لكن قدحالفهم شيخی" فقال وفيماقالوا نظر: لان استعمال لفظ الجزم في مقابل الاعراب اصطلاح حادث لاهل العربية، فكيف يحمل عليه الالفاظ النبوية يعنى على تقدير الثبوت، وجزم بان المرادبحذف السلام وجزم التكبير الاسراع به، وقداَسندالحاكم عن ابی عبد الله البوشنجی انه سئل عن حذف السلام فقال: لايمدو كذا اسنده الترمذى في جامعه عن ابن المبارك انه قال لايمده مدا. قال الترمذى وهو الذى استحسنه اهل العلم.

وقال الغزالي في الاحياء: ويحذف السلام، ولايمده مدا، فهو السنة وكذا قال جماعة من العلماء: انه يستحب ان يدرج لفظ السلام ولايمده مدا وانه ليس برفع الصوت، فرفع الصوت غيرالمد، وقيل معناه اسراع الامام به لئلايسبقه المأموم. (المقاصد الحسنة ص/۱۹۳ حدیث/۳۴۵)

(التکبیر جزم) ترجمہ: اس حدیث کی احادیث مرفوعہ میں کوئی اصل نہیں ہے، اگرچہ یہ امام رافعیؒ کی الشرح الکبیر میں مذکور ہے، بلکہ یہ تو ابراہیم نخعیؒ کا اثر ہے، جسے امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں (۱/۶۶) حذف السلام سنۃ والی حدیث کے بعد ان سے نقل کیا ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ "ابراہیم نخعی سے روایت کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں، التکبیر جزم والتسلیم جزم۔

اور سعید بن منصورؒ نے اپنی سنن میں ابراہیم نخعی ہی کے طریق سے اس حدیث کو "والقراءۃ جزم والاذان جزم" کی زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے، اور ان سے مروی الفاظ میں یہ بھی ہے " کانوا یجزمون التکبیر"

نیز اس حدیث کے الفاظ ومعانی دونوں میں اضطراب ہے، چنانچہ علامہ ھرویؒ "الغریبین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ عوام الناس اللہ اکبر کی راء کو ضمہ کے ساتھ پڑھتے

ہیں (یعنی اللہ اکبرُ)، اور ابو العباس المبردؒ کہتے ہیں اللہ اکبر اللہ اکبر (یعنی بسکون الراء) اور وہ اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ اذان حرف آخر پر وقف کی صورت میں مسموع ہے۔ یعنی حرف موقوف علیہ پر اعراب ظاہر نہیں کئے جاتے ہیں۔

اسی طرح ابن الاثیر جزریؒ "النہایۃ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے "تکبیر وسلام میں مد نہیں کیا جائے گا، اور تکبیر میں اعراب ظاہر نہیں ہوں گے، اور حرف موقوف علیہ ساکن کرکے پڑھا جائے گا، اور المحب الطبری نے بھی ابن الاثیر کا اتباع کیا ہے، اور امام رافعی اس حدیث سے تکبیر میں عدم مد پر جو استدلال کرتے ہیں اس کا مقتضی بھی یہی ہے، اور امام زرکشیؒ نے بھی یہی معنی اختیار فرمائے ہیں، اگرچہ تکبیر (میں موجود لفظ اکبر) کی اصل رفع بر بناء خبریت ہے (لیکن اس کو مجزوم یعنی ساکن پڑھا جاتا ہے) اور اس پر استشہاد اس روایت سے ہوسکتا ہے، جس کی تخریج امام ابوداود طیالسیؒ نے اپنی سند میں ابن عبد الرحمٰن بن ابزی کے طریق سے کی ہے، وہ اپنے والد عبد الرحمٰن سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ ﷺ تکبیرات میں اتمام نہیں فرماتے تھے، (یعنی اسکو مجزوم پڑھتے تھے)۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں۔ لیکن میرے شیخ (ابن حجر عسقلانیؒ) نے ان حضرات کی مخالفت کی ہے، چنانچہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کی رائے محل نظر ہے، اس لئے کہ اعراب کے مقابلہ میں لفظ جزم کا استعمال اہل عربیت کی ایک جدید اصطلاح ہے، لہٰذا اگر اس حدیث کو ثابت تسلیم کرلیا جائے جب بھی اس اصطلاح جدید پر اللہ کے رسول ﷺ کے قول کو کیسے محمول کیا جاسکتا ہے، اور ابن حجرؒ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ حذف السلام اور جزم التکبیر سے مراد صرف اور صرف تکبیر کی ادائیگی میں عجلت کرنا ہی ہے۔

اور حاکم نے ابو عبد اللہ البوشنجیؒ سے بسند متصل نقل کیا ہے کہ ان سے حذف السلام کے

معنی پوچھے گئے تو انہوں فرمایا کہ حذف السلام کے معنی ترک مد ہے، اور اسی طرح امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں عبداللہ بن المبارک سے مسنداً نقل کیا ہے کہ حذف السلام کے معنی ترک مد ہے، اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہی معنی اہل علم کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

اور امام غزالیؒ "الاحیاء" میں تحریر فرماتے ہیں کہ سنت طریقہ یہی ہے کہ امام سلام کو حذف کرے گا اور اس میں مد نہ کرے گا، اور اس طرح علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ امام کو چاہئے کہ لفظ سلام کو لپیٹ کر ادا کرے اور اس میں مد نہ کرے، اور تکبیر بلند آواز سے نہ کہے، اور رفع صوت، ترک مد کے علاوہ امر آخر ہے، نیز اس کے معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ امام سلام کو جلدی اور سرعت سے ادا کرے، تا کہ مقتدی سلام پھیرنے میں اس سے سبقت نہ کرنے پائے۔

دراصل امام ترمذیؒ نے ترجمۃ الباب "باب ماجاء ان حذف السلام سنة" قائم فرمایا ہے اور مرادِ حذف علی بن حجر اور ابن مبارک کے حوالے سے لاتمده مدا بیان فرمائی ہے، اور اس کو "وهو الذي يستحبه اهل العلم" فرمایا ہے، پھر ابراہیم نخعی کا اثر موقوف "التكبير جزم والسلام جزم" نقل فرمایا ہے، (۱) جس سے معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ تو حذف السلام کا ہے، جس پر علامہ سخاویؒ کی بحث ابھی ماقبل میں گذری ہے، جس سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اولاً تو التکبیر جزم حدیث مرفوع نہیں ہے، صرف نخعی کا اثر موقوف ہے، (۲) پھر اس کے متن میں اضطراب ہے کہیں سلام کے ساتھ تکبیر اور کہیں تکبیر اور سلام کے ساتھ القراۃ جزم بھی وارد ہوا ہے اور کہیں الاذان جزم بھی وارد ہوا ہے، پھر جزم کے معنی میں بھی کوئی کم اختلاف نہیں ہے، کسی نے جزم سے مراد سکون، تو کسی نے اسراع، تو کسی نے ترک مد، تو کسی نے عدد تکبیرات کا عدمِ اہتمام مراد لیا ہے، جب ایک روایت میں سنداً متناً و معناً اس قدر اضطراب ہو تو اس سے صرف ایک معنی مراد لے کر استدلال کرنا کیسے صحیح ہوگا؟ جبکہ اس کے

معارض دیگر معانی مختلف موجود ہیں، یہ ترجیح بلا مرجح نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر یہ گفتگو اس وقت ہے جبکہ اس کو کم از کم نخعیؒ کا اثر موقوف مان لیا جائے۔

ابن القطانؒ کی رائے

اور اگر دو قدم آگے ابن القطان کا فیصلہ اس باب میں دیکھا جائے تو کسی صورت میں یہ روایت قابل استدلال نہیں رہتی جیسا کہ شارح جامع الصغیر للسیوطیؒ علامہ مناویؒ اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں "قال ابن القطان وھولایصح مرفوعا ولاموقوفا کماذکرہ ابوداؤد وقال ابن القطان لامعرج علی مارفع ولاماوقف ولوصححہ الترمذی وغیرہ (ص/۳۷۸ ج/۳) ابن القطان نے فرمایا کہ یہ حدیث نہ مرفوعاً صحیح ہے نہ موقوفاً جیسا کہ ابوداؤد نے ذکر کیا اور ابن القطان فرماتے ہیں کہ اس کا مرفوع اور موقوف ہونا قابل اعتبار نہیں ہے، اگرچہ ترمذی وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

مانعین کی جانب سے بطور استدلال وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے جو ابوداؤد الطیالسی نے اپنی مسند میں ذکر فرمائی ہے عن ابن عبدالرحمن ابن ابزی عن ابیه انه قال صلیت خلف النبی ﷺ فلم یتم التکبیر، اس طور پر کہ اس حدیث کے بیان کئے جانے والے من جملہ معانی کے ایک معنی لم یمدہ بھی ہے، فتح الباری (ج/۲- ص/۲۶۹- ح/۷۸۴) تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے خود اپنی تاریخ میں ابوداؤد الطیالسی ہی سے اس حدیث کے بطلان کی صراحت فرمائی ہے، چنانچہ فتح الباری شرح البخاری میں مرقوم ہے، "وقدنقل البخاری فی التاریخ عن ابی داؤد الطیالسی انه قال ھذا عندنا باطل"۔

علامہ قسطلانیؒ نے بھی انہی الفاظ میں حدیث کے بطلان کو نقل فرمایا یعنی محدثین کرام کے یہاں اس کا حدیث ہونا ہی قابل قبول نہیں ہے، لہذا اس سے استدلال ہی کہاں جائز ہے؟ اور جب ائمہ جرح وتعدیل "لایصح مرفوعاً ولاموقوفاً" کہہ کر اس

کے متعلق روایت ہونے ہی سے انکار فرمارہے ہیں تو اس سے استدلال ہی کہاں جائز ہے؟ یا اگر ایسی ہی روایت کا سہارا لیتے ہوئے ترک مد پر استدلال کرتے ہیں، تو اس سے مراد تکبیر تحریمہ ہے، جس میں سبھی ترک مد کے قائل ہیں۔

جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے فاذااراد الشروع کبر حاذفا ... المراد بالحذف ان لایاتی بالمدفی ہمزۃ اللہ ولافی باء اکبر (سعایہ ص ۱۵۶، ج ۲)

عبارت بالا میں غور کرنے سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اس کا تعلق تکبیر تحریمہ سے ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ مد کی ممانعت ہمزۂ اللہ اور اکبر کی باء میں ہے، جبکہ رکوع وسجود کی تکبیرات کو آگے بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، "ثم یکبر للرکوع خافضا" اور اس کی کیفیت میں اقوال مختلفہ ذکر کرتے ہوئے صاحب سعایہ نے منیہ کے حوالے سے لکھا ہے، "وفی المنیۃ ینبغی ان یکون ابتداء التکبیر عنداول الخرور وانتھاءہ عندالاستواء وھواصح الاقوال انتھی (سعایہ ص ۱۷۷/۱۷۸، ج ۲)

ترکبیری میں ہے، ویبغی ان یکون ابتداءُ تکبیرہ عنداول الخرور والفراغ منہ عندالاستواء راکعاًوقال بعض المشائخ یکبرقائما ثم یرکع وکذاذکرہ فی المحیط مستدلاً بقول محمدؒ اذااراد ان یرکع یکبر پھر تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں، والقول الاول وھوالمقارنۃ اصح الاقوال کذا قال الطحطاوی ۳۰۷۔

ترجمہ: اور منیہ میں ہے ضروری ہے کہ تکبیر کی ابتداء اول خرور کے وقت اور اس کی انتہاء بوقت استواء ہو اور یہ اصح الاقوال ہے، اہ سعایہ، اور کبیری میں ہے: اور ضروری ہے کہ اس کی تکبیر کی ابتداء جھکنے کی ابتداء سے ہو، اور اس سے فراغت رکوع میں پورے طور پر پہونچ جانے کے بعد ہو، اور بعض مشائخ نے کہا قیاما تکبیر کہے پھر رکوع کرے اور اسی طرح محیط میں مذکور ہے، اور امام محمدؒ کے قول اذااراد ان یرکع یکبر سے استدلال کیا ہے، پھر تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں اور قول اول یعنی تکبیر اور رکوع کا ساتھ

ساتھ ہونا اصح الاقوال ہے، اسی طرح طحطاوی نے کہا معلوم ہوا کہ رکوع کی تکبیر کو قیام سے رکوع کی طرف خرور کی ابتداء سے لیکر انتہاء تک طویل اور جاری رہنا چاہئے۔

لہذا صرف تکبیر تحریمہ کے ترک مد سے ساری تکبیرات انتقالات میں ترک مد پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، جبکہ علماء کی ایک بڑی جماعت رکوع وسجود کی تکبیرات میں مدطبعی سے زیادہ مد کی قائل ہے، چنانچہ لامع الدراری میں امام بخاریؒ کے "باب اتمام التکبیر فی الرکوع" کی شرح میں ہے، الظرف اما متعلق بالاتمام او بالتکبیر وایاماً کان فالعرض منه ان لا یحذف التکبیر حذفا بلٰ یاتی به کما هو بالمد والشد واداء الحروف من مخارجها ومن المعلوم ان الشروع فی التکبیر یکون قبل الاخذ فیه ولذالک سمیت تکبیرات الانتقالات لکونها فیها فلما کان شروعه متصلاً بشروعه فی الانتقال غیر متراخ عنه لزم ان یاتیه کماهو بتصحیح الحروف والمد وغیره والالزم انقضائه قبل استوائه راکعا مع ان المامور التکبیر حین یصدق علیه کلمة رفع ووضع فافهم وبالله التوفیق (لامع الدراری ص/۳۱۴،۳۱۵، ج/۴)۔

ترجمۃ: باب اتمام التکبیر فی الرکوع میں "فی الرکوع" یا تو الاتمام سے متعلق ہے یا تو التکبیر سے، بہر دوصورت اس سے غرض یہ ہے کہ تکبیر کو بالکلیہ حذف نہ کردیا جائے، بلکہ اس میں مد کرکے اور جملہ حروف کو اس کے مخارج سے ادا کرکے کہا جائے، تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ یہ امر مخفی نہیں ہے کہ تکبیر کی ابتداء رکوع شروع کرنے کے وقت ہی سے ہوگی، اور یہ تکبیرات دوران انتقال کہی جاتی ہے، اسی لئے تکبیرات انتقالات سے موسوم ہیں، لہذا جب تکبیر انتقال کی ابتداء بلا کسی تاخیر کے رکوع کی جانب انتقال کرنے کے ساتھ ہی ہوگی تو اس کو کما حقہ مع مخارج ومد وغیرہ کے ادا کرنا ضروری ہوگا، ورنہ مکمل رکوع میں پہونچنے سے پہلے ہی اسے ختم

کرنا لازم آئے گا، حالانکہ تکبیر کہنے کا حکم اس کیفیت کے وقت جس کیفیت پر لفظ وضع ورفع کا اطلاق ہوسکتا ہو، خوب سمجھ لو، اللہ توفیق بخشنے والا ہے، (لامع الدراری ج ۳ ص ۳۱۴، ۳۱۵)

قیام سے رکوع میں جانے کی تکبیر سے متعلق حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ رکوع میں پہونچنے پر ہی تمام اور ختم ہونی چاہئے، جس کی صورت لامع الدراری شرح بخاری میں یوں بیان فرمائی ہے کہ تکبیر کے کلمات کو ابتداء سے کہا جائے اور حروف کی صحت کا بھی خیال ہونا چاہئے، ظاہر ہے کہ قیام سے رکوع تک پہونچنے کے لئے جتنا وقت لگتا ہے اور جو تھوڑی تاخیر ہوتی ہے تکبیر کو اتنا طول دینا ہوگا اور یہ تاخیر وطول بذریعہ مد ہی ممکن ہے۔

تکبیراتِ انتقال میں مد سے متعلق حضرت گنگوہیؒ اور دیگر اکابر کی تحقیق

ورنہ جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مد نہ کیا گیا تو رکوع میں پورے طور پر پہونچنے سے قبل ہی تکبیر ختم ہو جائے گی، جبکہ اس کا تو نام ہی تھا تکبیر انتقال، اور یہ مد لفظ اللہ کے سوا ہو نہیں سکتا، ورنہ مطلوبہ تاخیر کے لئے اللہ کے ہمزہ کی حرکت یا تشدید یا اکبار کی باء میں مد کرنا ہوگا، اور مذکورہ تینوں مواقع میں مد کرنا جائز نہیں ہے، بالخصوص موقع اول وثالث میں مد کرنا مفسد لفظ ہو کر مفسد معنیٰ بھی ہے، چنانچہ مرادِ حضرت گنگوہی کی شرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ بحوالہ کرمانی یوں بیان فرماتے ہیں، وقال الكرماني: " فان قلت الترجمة تمة بدون لفظ الاتمام بان يقول باب التكبير في الركوع فلا فائدة فيه بل هو محال لان حقيقة التكبير لاتزيد ولاتنقص قلت المراد ان يمد التكبير الذي هو للانتقال من القيام الى الركوع بحيث يتمه في الركوع بان يقع راء اكبر فيه " علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں: اگر آپ یہ سوال کریں کہ امام بخاریؒ نے باب "اتمام التكبير في الركوع" میں لفظ اتمام کا اضافہ فرمایا، جبکہ اس کے بغیر بھی ترجمۃ الباب قائم ومفہوم ادا ہو جاتا ہے، لہذا لفظ

اتمام کے اضافے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لئے کہ تکبیر کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی، تو میں کہوں گا کہ لفظ اتمام سے مراد یہ ہے کہ تکبیر جو کہ قیام سے رکوع کی طرف انتقال کے لئے ہے، اس کو دراز اور مد کر کے اس طور پر کہنا چاہئے کہ "اکبر" کی راء رکوع میں پہونچ کر ختم ہو لہذا تکبیر کے اتمام کی صورت یہ ہے کہ تکبیر بالمد اس طرح کہے کہ وہ رکوع میں پہونچتے ہی پر تمام ہو اور راء کی آواز وہیں ختم ہو تھوڑا آگے چل کر آپ فرماتے ہیں "هو الذي تقدم في كلام الحافظ مجملاً والكرماني والعيني مفصلاً وتبعهم القسطلاني اذ قال مده من الانتقال من القيام الى الركوع حتى يقع راء ه اى راء لفظ الله اكبر فيه" (لامع الدراری۔ص ۳۱۲/۲۔ج ۲/۲) معلوم ہوا کہ علامہ کرمانی، عینی اور قسطلانی پھر حضرت گنگوہی، حضرت مولانا یحییٰ، حضرت مولانا محمد زکریا رحمهم الله تعالى یہ سارے مشائخ تکبیر میں مد کے قائل ہیں، پھر یہ کہ جب ان مشائخ نے قیام سے رکوع کی تکبیر میں مد کو فرمایا ہے تو قومہ سے سجدہ اور سجدہ سے قیام کا انتقال تو اور طویل ہے، لہذا ان میں تو بدرجۂ اولیٰ مد کرنا ہوگا۔

یہاں ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ مانعین مد "اتمام التكبير" کی شرح میں حضرت گنگوہیؒ وغیرہ مشائخ کی عبارت "بالمد والشد" سے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد مد و امتداد نہیں بلکہ ترتیل وتبیین یعنی حروف تکبیر کو صاف صاف واضح انداز میں کہنا ہے کہ اس طرح کہنے سے مطلوب تاخیر حاصل ہو جائے گی، لیکن یہ بات حلق سے یوں نہیں اترتی یا ضمیر یوں قبول نہیں کرتا کہ اگر یہی بات تھی تو کیا یہ مشائخ ترتیل وتبیین کے لفظ سے خود شرح نہیں فرما سکتے تھے، جبکہ ایسا نہ حضرت گنگوہیؒ کی عبارت میں ہے اور نہ بعد میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے اس طرح شرح فرمائی ہے، بلکہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مد نہ کرنے سے یہ تکبیرات اسم بامسمیٰ نہ رہیں گی، اور یہ بھی فرمارہے ہیں کہ اکبر کی راء رکوع میں جا کر ہی ادا ہو، نیز ان حضرات کا یہ فرمانا کہ اگر مد

نہ کیا گیا تو انتقال کے ختم سے پہلے ہی تکبیر ختم ہو جائے گی، یہ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مراد تبیین نہیں ہے، بلکہ اصطلاحی مد ہی ہے۔

نیز قارئین کرام غیر جانبدارانہ غور فرمائیں کہ قومہ سے سجدہ اور سجدہ سے قیام تک کا مکمل انتقال اللہ اکبر میں بلا مد کئے ہوئے صرف حرفوں کی تبیین سے ہو جائے گا؟ لہذا "بالمد والشد" کی تشریح تبیین و ترتیل سے کرنا دل کو نہیں لگتا، ہاں! تکبیر تحریمہ اور سلام جیسے مختصر انتقال میں مد کرنا بلا ضرورت ہے، جو قابل اصلاح ہے اور طویل انتقالات میں ضرورت سے زیادہ یعنی انتقال کے مکمل ہو جانے کے بعد بھی تکبیر کے مد کو کرتے رہنا بھی بے معنی ہے۔

پھر عمدۃ الفقہ حصہ دوم میں ہے "قراءت سے فارغ ہو کر رکوع کرے اس طرح پر کہ کھڑا ہوا، اللہ اکبر شروع کرے اور کہتے ہوئے جھکتا جائے، پس تکبیر کی ابتداء جھکنے کی ابتداء کے ساتھ ہو اور فراغت اس وقت ہو جب پورا رکوع میں چلا جائے اور اس مسافت کو پورا کرنے کے لئے اللہ کے لام کو بڑھائے، اکبر کی راء وغیرہ کسی حرف کو نہ بڑھائے" (ص/۱۰۸، ج/۲) تو سجدہ کے انتقال سے متعلق فرماتے ہیں "پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے (اللہ اکبر) جھکنے میں کہے اور سجدہ میں پہونچنے تک ختم کرلے" (ص/۱۱۰، ج/۲)۔

دیکھئے! عمدۃ الفقہ کی عبارت بالا میں دونوں تکبیر کو بالمد کہا گیا ہے تو حافظ ابن الحجر الهیثمی المکی الشافعی "تحفة المحتاج شرح المنهاج" میں فرماتے ہیں "فاذا حاذی کفاه منکبیه انحنی مادا التکبیر الی استقراره فی الرکوع لئلا یخلوا جزء من صلاته عن ذکر و کذا فی سائر انتقالات حتی فی جلسة الاستراحة فیمده علی الالف التی بین الام والهاء" لکن بحیث لا یتجاوز سبع الفات لانتهاء غایة هذا المد پھر جب نمازی اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے دونوں کندھوں کی محاذات میں

کرلے تو تکبیر میں مد کرتے ہوئے رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں مکمل پہنچ جانے تک یہ امتداد باقی رکھے، تا کہ اس کی نماز کا کوئی حصہ ذکر الٰہی سے خالی نہ رہے، اور دوسری تمام تکبیرات انتقالیہ یہاں تک کہ جلسۂ استراحت کا بھی یہی حکم ہے، چنانچہ وہ اس الف میں مد کرے گا جو لام وہاء کے درمیان ہے لیکن خیال رہے کہ یہ مد سات الف سے زیادہ نہ ہو، اس لئے کہ سات الف کی مقدار، اس مد کی آخری حد ہے۔

ابن حجر ہیثمیؒ کی عبارت بالا سے ایک تو تکبیرات انتقال میں مد اور وہ بھی بوقت ضرورت سات الف تک کا جواز معلوم ہوتا ہے، جس پر مزید گفتگو بعد میں کریں گے، تو دوسری طرف نماز کے کسی رکن کا ذکر سے خالی نہ ہونا نہ صرف موصوف ہی کی عبارت میں بلکہ تقریباً سب نے اس کو لکھا ہے، چنانچہ نور الایضاح کے حاشیہ میں ہے "فلا تخلو حالة من حالات الصلاة عن ذکر" (ص ۷۳/۲) حق التلاوۃ کے حاشیہ میں ہے "وردعن بعض الشافعیة جواز مد الف الجلالة فی تکبیرات الانتقال مدا فرعیا بوزن الوقت الذی یقتضیه لکنهم منعوا مدها فی تکبیرها الاحرام. (ص ۲۱۱)

ترجمہ: بعض شوافع سے تکبیرات انتقال کے اسم جلالہ یعنی لفظ اللہ میں ایک الف سے زائد طوالت اور رکن کے تقاضے کے بقدر مد منقول ہے، لیکن ان حضرات نے مد کی اس زیادتی کو تکبیر تحریمہ میں منع کیا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ جب پورے رکن کا ذکر سے مملوء ہونا سب نے لکھا ہے تو اب اگر طویل انتقال مثلاً سجدہ سے قیام یا قعدۂ اولیٰ سے قیام کی تکبیر بلا مد کے صرف ترتیل وتبیین حروف سے کہی جاوے تو ظاہر ہے کہ وہ پورے رکن وانتقال کے لئے کبھی کافی نہ ہوگی، یا اتنی مختصر تکبیر سے اس قدر سریع انتقال سوائے چست وقوی نوجوانوں کے کسی کے لئے ممکن نہ ہوگا، جس کے نتیجہ میں ضعیف ونحیف اور عمر رسیدہ افراد کے انتقالات کا بیشتر حصہ ذکر سے خالی رہے گا، اور بالفرض ایسا ہی شخص امام ہوا تو اتنی مختصر تکبیر یا تو

سجدہ میں جاکر کہے گا یا کھڑے کھڑے کہہ دے گا، اور دونوں صورتوں میں انتقال کا بیشتر حصہ ذکر سے خالی رہے گا، اور ضعیف امام نے قومہ ہی میں مختصر تکبیر کہنی شروع کی جو سجدہ میں پہونچنے سے کافی پہلے ختم ہو جائے گی تو اس صورت میں جوان مقتدیین کی امام پر تقدیم لازم آئے گی، یعنی وہ سجدہ میں امام سے پہلے پہونچ جائیں گے، معلوم ہوا کہ تکبیرات بھی سبب ضرورت مد کی مقتضی ہیں، لھذا اولاً تکبیرات میں مد کی ممانعت کوئی متفق علیہ نہیں ہے، اور اگر ممانعت کی کوئی رائے ہے بھی تو وہ تکبیر تحریمہ میں ہے نہ کہ دیگر تکبیرات میں بھی، لھذا اولاً اس طرح کی عبارات پر ازان کو قیاس کرنا اور اس پر استدلال شرائط قیاس واستدلال کے خلاف ہے، پھر جب تکبیرات میں بھی ہمارے اکابر کی رائے مد کی ہے تو اس سے یکسر بے اعتنائی کیوں؟

اسی طرح ان حضرات نے اس مسئلہ پر طحطاوی علی مراقی الفلاح کی مندرجہ ذیل عبارت سے استدلال فرمایا ہے "وان کان (المد) فی وسطه فهو الصواب الا انه لایبالغ فیه فان بالغ زیادة علی مده الطبعی وهو قدر حرکتین کره ولاتفسد علی المختار کما فی ابن امیر الحاج وفی السراج انه خلاف الاولیٰ فالکراهة للتنزیه" (ص ۱۵۲) اس کا ترجمہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

اور شرح نقایہ میں باب صفة الصلاة میں ہے "واما مد الالف فی آخر الجلالة فلایضر لصلاة الا انه لایجوز زیادة علی قدر الف فی الوصل وعلی ثلاث الفات فی الوقف" (ص ۱۵۷) یعنی لفظ اللہ کے الف مد میں ایک الف سے زیادہ مد کرنا نماز کے لئے مضر نہ ہوگا، لیکن وصلاً ایک الف سے زیادہ اور وقفاً تین الف سے زیادہ مد کرنا جائز نہیں ہے۔

مذکورہ دونوں عبارات سے نماز کی تکبیر میں مد کی ممانعت واضح ہو رہی ہے، تاہم یہاں ایک بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ دونوں عبارات تکبیر تحریمہ سے متعلق ہیں اور اس میں

مد کرنے پر کسی کو اصرار نہیں، نیز شرح نقایہ کی عبارت پر غور کرنے سے یہ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ موصوف بحالت وقف تین الف سے زائد مد کو لایجوز کہہ رہے ہیں، تو کیا یہ مد عارض نہیں ہے؟ اور مد عارض کا طول پانچ الف تک نہیں ہوتا؟

جس کے لئے سمجھنا چاہئے کہ قراء کرام میں بھی مد کے باب میں دونوں طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں، ایک تو وہ جن کے یہاں مد کم سے کم ہوتا ہے، چنانچہ ان کے یہاں طول کی آخری مقدار تین الف ہے، تو دوسرا بڑا گروہ وہ ہے جن کے یہاں مد کے باب میں اس قدر تنگی نہیں ہے، بلکہ طول پانچ الف تک ہوتا ہے، اس لئے تین الف سے زیادہ مد کو علی الاطلاق لایجوز کہنا قابل قبول نہیں، پھر بالخصوص یہ بحث جب اذان جیسے توسع رکھنے والے جزو سے متعلق ہے، تو اس میں طول کے باب کا وہی قول موزوں معلوم ہوتا ہے جس میں توسع ہو، نیز تکبیر سے متعلق صاحب عبارت کی اس عبارت سے موصوف کا اس زمرے میں ہونا معلوم ہوتا ہے جو مقدار طول میں توسع کا حامی نہیں ہے، ایسے اذہان کی عبارت اولاً سب کے لئے اور بالخصوص اذان کے باب میں علی الاطلاق پیش کرنا محل نظر ہے، جبکہ دوسری طرف ایسی عبارات بھی ہیں جو مد کی تائید کرتی ہیں۔

تکبیرات سے متعلق علامہ نوویؒ کی رائے

چنانچہ امام نوویؒ شرح المھذب میں فرماتے ہیں: اما تکبیرات الانتقال کالرکوع والسجود ففیھا قولان القدیم یستحب ان لایمدھا والجدید الصحیح مدھا الی ان یصل الی الرکن المنتقل الیہ حتی لایخلواجزؤمن صلاتہ من ذکر (ج/۳-ص/۲۶۰)

وقال فی بحث الرکوع ویمد التکبیر الی ان یصل الی حد الراکعین ھذا ھوالمذھب ونص علیہ فی الام وقطع بہ العراقیون وغیرھم وحکی جماعۃ من الخراسانیین قولین۔احدھما ھذا وھوالجدید والثانی وھوالقدیم لایمد التکبیر

بل يسرع به قالوا والقولان جاريان في تكبيرات الانتقال وهل تحذف ام تمد حتى يصل الى الذكر الذي بعدها الصحيح المد.

ترجمہ: امام نوویؒ شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ رہی تکبیراتِ انتقال جیسے رکوع وسجود کی تو اس میں دو قول ہیں (۱) قدیم قول یہ ہے کہ مد نہ کرنا مستحب ہے۔(۲) اور قول جدید وصحیح یہ ہے کہ دوسرے رکن تک پہونچ جائیں یہاں تک مد کرنا چاہئے، یہاں تک کہ نماز کا کوئی جزو ذکر سے خالی نہ رہنے پائے، اور رکوع کی بحث میں فرماتے ہیں کہ تکبیر میں اتنا مد کرنا چاہئے کہ حد رکوع تک پہونچ جائے، یہی مذہب ہے اور امام شافعیؒ نے "کتاب الام" میں اس کی صراحت کی ہے، اور فقہاء عراقیین نے اور دوسرے فقہاء نے اسی مذہب کو قطعی طور پر اختیار کیا ہے، اور فقہاء خراسان کی ایک جماعت نے دو قول نقل کئے ہیں، ان میں سے ایک تو یہی ہے، اور وہ قول جدید ہے، اور دوسرا قول جو کہ قدیم ہے، یہ ہے کہ تکبیر میں مد نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے بلا مد کے جلدی سے ادا کیا جائے گا، علماء خراسان کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ تکبیرات انتقال کے سلسلہ میں دونوں قول معمول بہ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ تکبیرات انتقال کو ترک مد سے کہا جائے گا یا اس رکن تک پہونچنے تک مد کیا جائے گا جو ان تکبیرات کے بعد آنے والا ہے تو جواب یہ ہے کہ صحیح مد کرنا ہے۔

تو علامہ نوویؒ الاذکار میں فرماتے ہیں: واعلم ان المذهب الصحيح المختار ان تكبيرة الاحرام لاتمد ولاتمطط بل يقولها مدرجة مسرعة وقيل تمد والصواب الاول واما باقي التكبيرات، فالمذهب الصحيح المختار استحباب مدها الى ان يصل الى الركن الذي بعدها وقيل لاتمد فلو مدما لايمد او ترك مايمد لم تبطل صلاته، لكن فاتته الفضيلة (الاذکار ص ۴۲)

ترجمہ: علامہ نوویؒ اپنی کتاب "الاذکار" میں فرماتے ہیں. جاننا چاہئے کہ تکبیر تحریمہ

سے متعلق مذہب صحیح یہ ہے کہ اس کی تکبیر کو بلا مد کے سرعت وجلدی سے کہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یا قول ضعیف یہ ہے کہ مد کے ساتھ کہے، لیکن قول صحیح وہ اول ہے، باقی دیگر تکبیرات تو ان سے متعلق مذہب صحیح ومختار یہ ہے کہ مابعد والے رکن میں پہونچنے تک مد کرنا مستحب وپسندیدہ ہے، اور قول ضعیف مد نہ کرنا ہے۔

پس اگر کسی نے جہاں مد نہیں، مد کر لیا، یا مد تھا اور مد نہ کیا تو اس سے نماز فاسد وباطل نہ ہوگی، لیکن اس سے ایک فضیلت فوت ہو جائے گی۔

قارئین خود غور فرمائیں کہ امام نوویؒ کی عبارت میں کس قدر اعتدال ہے کہ تکبیر تحریمہ میں مد کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے بلا مد کے کہے، اور جن تکبیرات میں ضرورت ہے مد کے ساتھ کہے، پھر جب دونوں طرح کی عبارات ہیں تو تنگی وتشدد کیوں؟

بلکہ کئی مرتبہ ایسا تجربہ بھی ہوا کہ دوسرے سجدہ سے پھر قیام کی طرف آنے کے لئے تکبیر کو بلا مد کے مختصر کہا گیا، تو کئی لوگ بیٹھ جاتے ہیں، اور بے محل جلسۂ استراحت ہو جاتا ہے، اس طرح رکن کا کافی حصہ تکبیرات سے بھی خالی اور بے محل جلسۂ استراحت ہو جاتا ہے، نیز علامہ نوویؒ کی شرح مہذب کی عبارت "الا یمدھا والصحیح مدھا" میں غور کرنے سے بھی یہ بات نکلتی ہے کہ صحیح جس مد کو کہا جا رہا ہے وہ ایک الف سے زائد ہی کو کہا جا رہا ہے، ورنہ ایک الفی مد تو ہے ہی، اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، لہذا انتقال من رکن الی رکن اس طرح تیزی کے ساتھ کرنا کہ ایک الف ہی مد میں انتقال تمام ہو جائے، یہ سب کے لئے تو مشکل ہونے کے ساتھ اس الصحیح مدھا کا جواب نہیں بن سکتا۔

عبارت بالا سے اولاً تو یہ معلوم ہوا کہ اس باب میں دو قول ہیں، ایک ترک مد کا تو دوسرا تکبیرات انتقال کو مد کے ساتھ کہنے کا، کہ ان تکبیرات کا نام ہی تکبیرات انتقال ہے، اب اگر دوسرے رکن تک منتقل ہونے سے قبل اور مکمل انتقال سے پہلے ہی ختم

کردی جائے گی، تو یہ اسم با مسمّٰی نہ ہوگی۔ پھر غور طلب امر یہ بھی ہے کہ انتقال کی بھی صور مختلف ہیں، مثلاً جلسہ سے سجدہ کا انتقال اور سجدہ سے قعدہ کا انتقال، ظاہر ہے یہ دونوں قیام سے رکوع کے انتقال کی بہ نسبت بہت مختصر ہیں، تو قیام سے رکوع کا انتقال قومہ سے سجدہ اور سجدہ سے قیام کے انتقال کی نسبت بہت مختصر ہے، جبکہ سجدہ سے قیام کا انتقال سب سے طویل ہے، لھذا جب تکبیرات بغرض انتقال ہی ہیں اور انتقالات کی طوالت میں مراتب ودرجات اور کمی بیشی ہے، تو تکبیرات کے مدادران کی طوالت میں بھی کمی بیشی کا ہونا امر ظاہر ہے، اور ادھر فقہاء کرام نے نماز کے کسی رکن کو تکبیر سے خالی ہونے کو غیر صحیح قرار دیا ہے، "لئلا یخلو جزؤ من صلاته عن ذکر" لہذا جہاں تک انتقال مختصر کا تعلق ہے تکبیر میں کسی طرح استمداد کی ضرورت نہیں ہے، لیکن کیا سجدہ سے قیام کے انتقال میں بھی اگر بلا استمداد کے تکبیر کہیں گے تو مکمل رکن ذکر اللہ اور تکبیر سے مملوء ہوگا؟ ظاہر ہے کہ رکن کی طوالت کے لحاظ سے بلا استمداد کے تکبیر مختصر اور کم پڑے گی، لھذا انتہائے رکن تک تکبیر کو پہونچانے کے لئے محض ترتیل کافی نہ ہوگی، جیسے کہ مانعین مد حضرات تکبیر کے مد وسط کی مراد ترتیل وتبیین سے بیان کرتے ہیں، اور مد وسط کی مراد استمداد سے بیان کرنے کو غلط قرار دیتے ہیں، بالخصوص معمر افراد کے لئے، اس لئے یا تو بے محل مد کرنا ہوگا، جیسا کہ بہت سے لوگوں سے لفظ اللہ کی تشدید میں کئی حرفوں کے بقدر تاخیر سنی گئی ہے، جو کہ غلط ہے، یا حرفوں میں تقطیع کرنی ہوگی، اور دونوں بے محل ہونے کی وجہ سے غلط ہیں، کیا اس کے بالمقابل لفظ اللہ کے الف میں جو کہ محل مد ہے، بضرورت مد کرنا صحیح نہیں ہے؟ جبکہ حضرت گنگوہی، حضرت شیخ مکی وشیخ ذکریا رحمھم اللہ تکبیرات میں مد کو فرما رہے ہیں، نیز امام نووی نے "الاذکار" میں تکبیر کے استمداد کو مستحب قرار دیا ہے۔

پھر قابل توجہ امر یہ ہے کہ قومہ سے سجدہ ور سجدہ سے قیام تک جانے کے لئے تکبیر

میں اشتداد کی ممانعت نظر سے نہیں گذری، بلکہ امام نوویؒ فرماتے ہیں "ثم یقوم الی الرکعۃ الثانیۃ ویمد التکبیرۃ التی رفع بھا من السجود الی ان ینتصب قائما، ویکون المد بعد اللام من اللہ ھذا اصح الاوجہ لاصحابنا" (ص/۵۶) یعنی سجدہ سے دوسری رکعت کے قیام کے لئے تکبیر میں یہاں تک اشتداد کہ وہ سیدھا کھڑا ہوجائے یہ زیادہ صحیح ہے، اور قرین قیاس بھی ہے، کہ رکن کا کوئی بھی حصہ تکبیر سے خالی نہ ہو، ممانعت مذکور ہے، وہ تکبیر تحریمہ اور قیام سے رکوع کی تکبیر کے لئے ہے، چنانچہ طحطاوی کے حاشیہ میں ہے "ویسوی الوقف فی الاقامۃ لقولہ ﷺ الاذان جزم والاقامۃ جزم والتکبیر جزم ای لافتتاح الصلاۃ. (ص/۱۰۵) لہذا صرف تکبیر تحریمہ کے ترک مد سے ساری تکبیرات انتقالات میں ترک مد پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، جبکہ علماء کی ایک جماعت رکوع وسجود کی تکبیرات میں مد طبعی سے زیادہ مد کی قائل ہے، اس لئے معتدل راہ یہ ہے کہ موقع ضرورت میں اشتداد ہو اور بلاوجہ کے اشتداد سے احتراز ہونا چاہئے۔

یری الحنفیۃ والمالکیۃ والشافعیۃ علی الجدید وھو الصحیح وھو مایؤخذ من عبارات فقھاء الحنابلۃ، استحباب التکبیر فی کل رکن عندالشروع ومدہ الی الرکن المنتقل الیہ حتی لایخلو جزء من صلاۃ المصلی عن ذکر، فیبدأ بالتکبیر حین یشرع فی الانتقال الی الرکوع ویمدہ حتی یصل حدالراکعین ثم یشرع فی تسبیح الرکوع ویبدأ بالکتبیر حین یشرع فی الھدی الی السجود ویمدہ حتی یضع جبھتہ علی الارض ثم یشرع فی تسبیح السجود وھکذا یشرع فی التکبیر للقیام من التشھد الاول حین یشرع فی الانتقال ویمدہ حتی ینتصب قائماً. (الموسوعۃ الفقھیۃ ۱۳/۲۰۸)

ترجمہ. حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب اور شوافع کا قول جدید اور وہی صحیح ہے اور فقہائے حنابلہ کی

عبارات سے ماخوذ بات یہ ہے کہ: ''ہر رکن کو شروع کرتے وقت تکبیر کہنا اور اس کو رکن منتقل الیہ تک دراز کرنا مستحب ہے تاکہ مصلی کی نماز کا کوئی حصہ ذکر سے خالی نہ رہنے پائے۔''
صورت اس کی یہ ہے کہ مصلی رکوع کی جانب انتقال کی عین ابتداء کے وقت تکبیر شروع کرکے اس کو دراز کرتا رہے گا۔ کرتا رہے گا حتی کہ راکعین کی حد رکوع تک پہونچ جائے، (مکمل رکوع میں پہونچ جائے) پھر اس کے بعد رکوع کی تسبیحات کہے گا اور اسی طرح مصلی سجدہ کی جانب انتقال کی عین ابتداء کے وقت تکبیر شروع کرکے اس کو دراز کرتا رہے گا... کرتا رہے گا یہاں تک کہ اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے، پھر اس کے بعد سجدہ کی تسبیحات کہے گا، نیز بعینہ اسی طرح قاعدہ اولیٰ میں تشہد سے فراغت کے بعد قیام کے لئے، قعود سے قیام کی جانب انتقال کی عین ابتداء کے وقت تکبیر شروع کرکے اس کو دراز کرتا رہے گا۔ کرتا رہے گا یہاں تک کہ برابر کیفیت قیام میں آجائے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۰۸/۱۳)

ہاں اس جگہ یہ امر بھی قابل اصلاح ہے کہ تکبیرات میں غیر ضروری مد اور اس میں بھی اس قدر مبالغہ کہ دوسرے رکن تک پہونچ جانے اور طمانیت کے بعد بھی تکبیر کا امتداد جاری رہتا ہے، یہ مد بلا وجہ ہے، خلاصہ یہ کہ اولاً تکبیرات کا صحیح تلفظ ہو اور اس کے حروف مدہ میں بقدر ضرورت امتداد بھی ہو، نیز غیر ضروری امتداد سے اجتناب بھی ہونا چاہئے۔

تکبیرات میں ہونے والی بعض غلطیاں

تکبیرات انتقالات کی صحت میں جن موٹی موٹی چیزوں کا لحاظ ہونا چاہئے ذیل میں ان کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) لفظ اللہ کے فتحہ میں امتداد نہ ہونا چاہئے، کہ اس سے استفہام پیدا ہو جاتا ہے، جس کی نشاندہی تقریباً ہر اس فقیہ نے کی ہے، جس نے اس موضوع پر گفتگو فرمائی ہے۔

(۲) امتداد فی التشدید: چونکہ لام اسم جلالہ مشدد ہے اور مشدد میں دو حرف کے بقدر تاخیر ہوتی ہے، تو یہ تاخیر تو ضروری ہے، مگر بعض لوگ ادائے تشدید میں اس قدر

طول دیتے ہیں جو دو حرف نہیں بلکہ کئی حرفوں کے بقدر ہو جاتی ہے۔

(۳) لفظ اللہ کے لام کے بعد والے الف میں دوسرے رکن تک پہونچ جانے کے بعد بھی مد کرتے رہنا۔

(۴) اللہ میں ہاء کے ضمہ کو کھینچ کر واو مدہ بنا دینا۔

(۵) اکبر کی جگہ اکبار کہنا۔

(۶) سمع اللہ لمن حمدہ میں سمع کی عین کی جگہ ہمزہ جو عام ہے، عوام وخواص اس میں مبتلا ہیں، حضرت قاری انیس احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرف خوب توجہ دلاتے تھے۔

(۷) حمدہ میں بجائے ہاء کے الف پڑھنا اور اس میں مد کرنا۔

(۸) السلام کے الف میں مد طبعی سے زیادہ مد کرنا۔

(۹) السلام علیکم ورحمۃ اللہ میں السلام علیکم وَرحمۃ اللہ ادغام کے ساتھ کہنا۔

(۱۰) تکبیر کی ابتداء شروع انتقال ہی سے ہو اور انتہائے انتقال تک باقی رہے، ایسا نہ ہو کہ انتقال شروع ہو جانے کے بعد تکبیر شروع ہو، مثلاً رکوع سے سر اٹھا کر نصف قومہ تک پہونچ جانے کے بعد سمع اللہ شروع کرنا، ورنہ اس مقتدی کے لئے جو اسی وقت شریک ہوا ہے، یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا کہ اس کو یہ رکعت ملی ہے یا نہیں۔

بہر حال کلمات اذان میں مد کے مانعین کی طرف سے اکثر عبارات بطور دلیل تکبیر تحریمہ سے پیش کی جاتی ہیں، جبکہ اذان، اقامت وتکبیرات انتقالات کے مابین عینیت اور من کل الوجوہ مطابقت نہیں ہے۔

کلمات اذان میں مد کی مقدار

اب رہی یہ بات کہ جب کلمات اذان میں مد کرنا بسبب عظمت شان جائز ہے تو آیا

اس کی کوئی حد ہے یا نہیں؟

تو حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب رحیمی مہاجر مدنی دامت فیوضہم فرماتے ہیں:

"یہ مسئلہ چونکہ غیر متعلق بالفن ہے اس بناء پر تجوید وقراءت کی کتب کی نصوص اس سے ساکت ہیں، محض مسائل واصول قراءت کے قیاس سے راجح قول پر اس کی مقدار پانچ الفی مفہوم مستفید ہوتی ہے، کیونکہ مجموعۂ اختلاف قراءات عشرہ پر نظر ڈالنے سے ان کے مشہور ومتداول طرق کی روشنی میں مد کی آخری سے آخری حد پانچویں درجہ کا مد ہے، جس کا اندازہ پانچ الف کے بقدر کشش ودرازی سے کیا گیا ہے، کمافی النشر (ص/۳۲۵، ج/۱) والمرتبۃ الخامسۃ فوقہا (ای فوق الرابعۃ) قلیلا وقدرت بخمس الفات الخ..... صرف بعض حضرات سات الف تک اجازت کے قائل ہیں، جس کی تخریج وتوجیہ غالباً یہ ہے کہ بعض غیر معروف وغیر متداول طرق سے قبل الھمز حروف مدہ پر سکتہ کرنے والے قراء کے یہاں سکتہ کا عرصہ مد کے ساتھ ملا کر مجموعی طور پر دونوں کی مقدار مرتبۂ خامسہ سے بھی متجاوز ہو کر تقریباً چھ یا سات الفی بن جاتی ہے، جس کو مقدار مد کا چھٹا مرتبہ کہنا چاہئے، اور یہ مرتبہ اصحاب سکتہ ہی کے لئے مخصوص ہے، لیکن یہ قول چنداں مستند نہیں، اور بعض کتب ورسائل تجوید میں جو فقہاء کی جانب انتساب کر کے لفظ جلالہ کی مقدار مد اذان میں سات الفی تک بتائی ہے، یہ چیز تا حال معرض خفاء ومحل نظر ہے، فلعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔

مفتاح الکمال شرح تحفۃ الاطفال میں ص/۲۶ پر ہمارے شیخ المشائخ حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ نے سات الفی کا قول بانتساب فقہاء غالباً تحفۃ الاطفال کی عربی شرح سے اخذ فرمایا ہے، جو محمد میہی شافعی احمدی کی شرح ہے، خیال یہ ہے کہ غالباً کتب فتاوی شافعیہ میں سات الفی کے جزئیہ کی صراحت مل سکے گی، پھر اس کی پیروی میں العطایا الوہبیہ شرح مقدمۃ الجزریۃ اردو اور کمال الفرقان شرح اردو جمال القرآن

(ص ۱۲۹۸) میں بھی جزئیہ اسی طرح مذکور ہو گیا ہے، لیکن اگر تلاش وجستجو سے یہ جزئیہ دستیاب ہو بھی جائے تب بھی یہ معمول وماخوذ راجح وقوی نہیں بلکہ اس کے مقابلہ میں پانچ الفی والا مرتبہ ماخوذ وقوی ہے۔ (کمال الفرقان ص ر ۲۷)

حضرت کا اندازو قیاس بالکل صحیح ہے کہ کتب فتاویٰ شافعیہ میں مل سکے گی تو جیسا کہ ماقبل میں گذرا کہ حافظ ابن حجر ہیثمی مکی نے "تحفة المحتاج شرح المنهاج" میں سات الف کی گنجائش یوں بیان فرمائی ہے "لكن بحيث لايتجاوز سبع الفات لانتهاء غاية هذا لمد"

گوکہ عند القراء مد کی آخری مقدار فی القرآن کتب تجوید وقراءت میں پانچ الف ہے اور اس سے زیادہ مد قرآن کریم میں روایۃ صحیحہ سے ثابت نہیں ہے، چنانچہ ملا علی قاریؒ المنح الفکریہ میں چھ الف سے متعلق فرماتے ہیں "واما تقدير الهذلى بست الفات وذالك فى كامله لورش فيمارواه الحدادوابن نفيس وابن سفيان وابن غلبون فنسبوه فى ذالك الى الوهم كماقال المصنف رحمه الله فى نشره والله اعلم ۵۲۔

تاہم جب مختلف قراء کرام سات الف والے اس قول کو مد کی آخری مقدار کے طور پر بیان فرما رہے ہیں اور اذان میں اعلان وتحسین مطلوب ہے، نیز اذان میں وسعت بھی ہے، ادھر سات الف تک مد کرنے سے لفظ میں کوئی ایسا فساد بھی نہیں آتا، جو مفسد معنی ہو، تو پھر اس گنجائش میں کوئی تنگی نہ ہونا چاہئے، چنانچہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری دامت فیوضھم محدث شہیر دار العلوم دیوبند اس سے متعلق فرماتے ہیں "مگر بہت زیادہ کھینچنا درست نہیں، تین الف کے بقدر کھینچنا مستحسن ہے، سات الف تک جائز ہے، اور اس سے زیادہ ناجائز ہے، (آداب اذان واقامت ص ر ۴۸ حاشیہ)

حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب فرماتے ہیں "احقر کے مشائخ کبار کا اور خود احقر کا ذاتی رجحان ومیلان جواز علی المد الاصلی فی لفظ الجلالۃ کی جانب ہے، لیکن بہتر یہ

ہے کہ اس زیادتی کو پانچ الف تک محدود رکھا جائے، کماقال الملاعلی فی المنح والحاصل انه لایجوزالزیادة علی مقدار خمس الفات اجماعاً فمایفعله بعض الائمة واکثرالمؤذنین فمن اقبح البدعة واشدالکراهة. (ص/۵۶) اس مدمعنوی کے لئے ایک مزید شاہد وقرینہ اور مؤید نظیر یہ ہے کہ امام حمزہ کی قراءت کے بعض طرق میں محض سبب معنوی کی بناء پر توسط کے ساتھ لائے نفی جنس پڑھا جاتا ہے، جیسے "لاریب فیه" کمال الفرقان-ص/۱۷۲، تو علامہ جزریؒ النشر میں مدمبالغہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں" انماسمی مدالمبالغة فی نفی الهیة سوی الله سبحانه قال وهذامعروف عندالعرب لانهاتمدعند الدعاء وعندالاستغاثة وعند المبالغة فی نفی شیء ویمدون مالااصل له بهذه العلة قال والذی له اصل اولی واحری، (النشر فی القراءات العشر ص/۳۴۴)

اس جگہ ہم قارئین کرام سے توجہ چاہیں گے کہ عبارت کو بغور دیکھیں، حضرت محقق نے مد کے اسباب معنوی کے طور پر مد مبالغہ کے ساتھ ساتھ دعاء واستغاثہ کو بھی فرمایا ہے، جو کہ عندالعرب معتبر ہے، (البتہ بذریعہ تمثیل تفصیل وتفہیم صرف مدمبالغہ کی فرمائی ہے، لھذا یہ کہنا کہ مبالغہ فی النفی کے علاوہ کوئی سبب معنوی نہیں ہے، یہ محل نظر ہے، چنانچہ ماقبل میں صاحب علم الصیغہ نیز محدث پانی پتی رحمھما اللہ کے حوالہ سے لفظ "اللہ" "رحمن" "رحیم" "الواحد" "القھار" جیسے امثلہ میں بیان ہوا، اسی طرح فتاوی نظامیہ کے حوالے سے حضرت قتادہؒ کی ایک روایت بھی گذری جس میں سرکار علیہ الصلوۃ والتسلیم سے بوقت تلاوت لفظ "اللہ" "رحمن" "رحیم" میں مد فرمانا منقول ہے، بلکہ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں. کہ جب صرف سبب معنوی سے مد ہوسکتا ہے، تو جس وقت لفظی ومعنوی دونوں جمع ہو جائیں تو بدرجۂ اولی مد ہوگا، جیسا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ میں سبب لفظی ھمزۂ منفصلہ اور سبب معنوی مبالغہ فی النفی دونوں جمع ہو گئے

معنوی یعنی مبالغہ، دعاء واستغاثہ بھی مستقل مد کا سبب ہے، لہذا اسبب معنوی میں مبالغہ فی النفی کے ساتھ ساتھ دعاء واستغاثہ کو ذکر کرنا ان کے من حیث السبب مد کے باب میں معتبر ہونے کی دلیل ہے، ورنہ دعاء واستغاثہ کو مبالغہ کا مترادف قرار دینا ہوگا اور کیا یہ صحیح ہوگا؟ کیا لفظ مبالغہ اور دعاء واستغاثہ ہم معنی ہیں؟ اس لئے یہ کہہ دینا کہ کتب تجوید وقراءت میں سبب معنوی صرف مبالغہ فی النفی ہے اور کوئی نہیں ہے، اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، بلکہ کتب تجوید وقراءت میں بلا لحاظ قوی وضعیف مندرجہ ذیل اسباب معنوی بیان کئے گئے ہیں، مبالغہ فی النفی، دعاء، استغاثہ، عظمت شان۔

یہاں یہ ایک بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ کلمات اذان میں بالخصوص لفظ ''اللہ'' میں مد وعدم مد کی یہ گفتگو ہے، جس کا تعلق علم تجوید وقراءت سے بھی ہے، کہ مد کے اسباب لفظیہ سے یہاں کوئی ہے یا نہیں؟ اور سبب معنوی عند القراء کونسا معتبر ہے، ظاہر ہے کہ یہ گفتگو قراء کرام ہی سے متعلق ہے اور اوپر پانچ الف یا سات الف کا جواز لفظ ''اللہ'' میں قراء کی عبارات سے بھی نقل کیا گیا ہے، بلکہ نہ صرف اذان میں بلکہ خود قرآن کریم میں بھی بغرض ''تعظیم ''اللہ'' ''رحمن'' ''للہ الواحد القھار'' جیسے مواقع میں مد ما قبل میں گذرا ہے، گو کہ یہ ضعیف ہے، لھذا قرآن کریم میں قابل قبول نہ ہوگا، مگر جب یہی بات ہے تو کسی ایک ہی پہلو کو اختیار کرکے دوسرے کے باب میں تنگی، اذان کے باب کی جائز وسعت کو ختم کر دینا ہے، جبکہ وسعت مد کے لئے خود نفس اذان میں اعلان، تحسین، دعوت، مد تعظیمی جیسے عوامل ہیں، نیز بہت سے قراء وفقہاء کی عبارات سے تائید بھی ملتی ہے۔

رمضان المبارک میں حضرت گنگوہیؒ کی اذان

چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ ومضجعہ اپنے رسالے (اکابر کا رمضان) میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ بھی کہیں گذر چکا کہ گنگوہ میں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے دور میں

مغرب کی اذان خود کہنے کا معمول تھا، اس میں جہوری الصوت اور نہایت طویل اذان کا معمول تھا، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے میں اس وجہ سے اہتمام کرتا تھا کہ اطمینان سے لوگ اپنے اپنے گھروں سے فارغ ہو کر آجائیں، میری اذان کے درمیان میں بہت اطمینان سے آدمی افطار سے فارغ ہو سکتا ہے، اور اذان کے بعد اپنے گھر سے چلے تو حضرت قطب عالم امام ربانی قدس سرہ کی تکبیر اولیٰ میں شریک ہو سکتا ہے، حضرت قطب عالم قدس سرہ کے یہاں نصف النہار سے گھڑیوں کے ملانے کا بہت اہتمام تھا، والد صاحب فرماتے تھے کہ میں غروب سے ایک دومنٹ پہلے خانقاہ میں چلا جایا کرتا تھا، خودرو گھاس کے دو چار پتے توڑ کر ان کو چبا کر ان سے افطار کر کے اذان شروع کر دیتا تھا اور بہت ہی لمبی اور اطمینان سے اذان کہا کرتا تھا (ص ۶۵)۔

کلمات اذان میں اعتدال کے ساتھ مد کی حمایت پر مشتمل ایک فتویٰ صوبہ گجرات کی قدیم دینی مشہور درسگاہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سے بھی چند سال قبل شائع ہوا تھا، جس کو ماہنامہ اذانِ بلال نے اپریل ۱۹۹۸ء میں شائع کیا تھا، اس طرح مرکز المدارس دار العلوم دیوبند سے حضرت مولانا قاری عبد اللہ سلیم صاحب کا ایک مضمون جو اسی فکر کا حامل تھا ۱۹۷۱ء اگست کے رسالہ دار العلوم میں شائع ہوا تھا، جس کو یہاں بامتنان وتشکر ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، ملاحظہ ہو۔

مد سے متعلق قاری عبد اللہ سلیم صاحب مدظلہ کی رائے

کلماتِ اذان میں مد کی مقدار

از :- مولانا قاری محمد عبد اللہ سلیم صاحب

اذان کے کلمۂ "اللہ اکبر" میں مد کی کیا مقدار ہے۔

سوال: یعنی اسم جلالہ "اللہ" کے لام کے بعد الف کو کتنا کھینچنا جائز ہے؟

محترمی ومکرمی زیدت معالیکم!

جواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا، جس میں اذان کے کلمۂ اللہ اکبر میں اللہ کے لام پر مد کی مقدار کے بارے میں سوال ہے، لہذا پہلے تو وہ عبارتیں نقل کرتا ہوں، جو اس مسئلہ کے لئے مفید للحکم ہیں، اس کے بعد جو بات ان سے مستنبط ہوتی ہے، اس کو ان شاء اللہ تحریر کروں گا۔

فی الدرالمختار ولالحن فیہ، ای تغنی بغیر کلماتہ فانہ لایحل فعلہ وسماعہ کالتغنی بالقرآن وبلاتغییر حسن وقیل لابأس بہ فی الحیعلتین

قال العلامۃ ابن عابدین الشامی قولہ بغیر کلماتہ، ای بزیادۃ حرکۃ اوحرف اومد اوغیرھا فی الاوائل والاواخر قہستانی قولہ بلاتغییر حسن، ای التغنی بلاتغییر حسن فان تحسین الصوت مطلوب ولاتلازم بینھما بحروفتح.......

قال الحلوانی لابأس بادخال المد فی حیعتین لانہا غیر ذکر۔ (درمختار مع الشامی)

قال الشیخ حسن بن عمارۃ الشرنبلالی فی المراقی الفلاح اویتمہل یترسل (فی الاذان) بالفصل بسکتہ بین کل کلمتین قال الشیخ احمد الطحطاوی فی حاشیتہ علی لفظ المتن بالفصل وقیل بتطویل الکلمات کمافی البحرعن عقد الفرائدوکل ذالک مطلوب فی الاذان فیطول الکلمات بدون تغن وتطریب کمافی العنایۃ. (طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص/۱۰۶)

فی الغنیۃ المستملی المعروف بالکبیری

ویدخل فی الخیار ان لایلحن فی الاذان لانہ لایحل لا فی الاذان ولا فی القراءۃ وتحسین الصوت مطلوب ولاتلازم بینھما وقیدہ الحلوانی بماھو ذکر فلابأس بادخال اللام فی الحیعلتین، وظہر من ان لتحسین اخراج الحرف عما

يجوزله في الاداء وهوصريح في كلام الامام احمد فانه سئل عنه في القراءة فمعنه، فقيل له لم، قال ماسمك، قال: محمد، قال ايعجبك ان يقال يامو حاماد. اه (کبیری،ص/۳۵۹-۳۶۰ فخر المطابع لکھنؤ)

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہے کہ حیعلتین (حیی علی الصلوۃ اور حیی علی الفلاح) کے الف میں مد کرنا اوران کو کھینچ کر پڑھنا بلا قباحت درست ہے، جیسا کی شیخ حلوانی کے حوالے سے علامہ شامی نے نقل کیا ہے، لیکن اگر یہ فقہی صراحت نہ بھی ہوتی تب بھی قواعدِ عربیت اور تجوید کے ضوابط کی رو سے ان دو کلمات کے الف کو پانچ الف یعنی دس حرکت کے برابر کھینچا جائز ہے، جبکہ آخری حرف کو ساکن پڑھا جائے، مگر اللہ اکبر میں اسم جلالہ اللہ کی "ہاء" پر جب حرکت پڑھی جائے گی جیسا کہ اذان میں ضمہ پڑھا جاتا ہے تو اس سے پہلے کے "الف" پر قواعدِ تجوید کی رو سے صرف دو حرکت یعنی ایک الف کے بقدر ہی مد کریں گے جو ہر الف کی اصل مقدار ہے، لیکن علامہ طحطاوی کی نقل کے مطابق چونکہ اذان میں ٹھراؤ مقصود ہے اسی لئے کلمات میں تطویل اور درازی جائز ہے اور اس کی بنیاد بظاہر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اذان چونکہ بغرض اعلام ہے اس لئے اس مقصد کی بخوبی تکمیل کے لئے ہر اس صورت کو اختیار کیا گیا یا جائز قرار دیا گیا جس کے اختیار کرنے میں کوئی دوسری قباحت پیدا نہ ہوتی ہو، اسی نقطۂ نظر سے مثلاً کانوں میں انگلیاں دینے کو بربنائے حدیث مستحب کہا گیا ہے تاکہ آواز مزید بلند ہوجائے جو مفید بالاعلام ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے، اجعل اصبعيک في اذنيک اور اس لئے بظاہر حیی علی الصلوۃ کے وقت داہنی جانب اور حیی علی الفلاح کے وقت بائیں جانب گھومنے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ ہر طرف کے لوگوں تک اذان کی آواز پہونچ جائے، تو اسی مقصد سے عام قواعد کے خلاف اذان میں کلمات کی درازی اور تطویل کو جائز قرار دیا گیا کیونکہ امتداد صوت اعلام کے لئے مفید ہے، لیکن ظاہر ہے

صرف الف، واو، یاء ساکن کے اندر ہوا کرتی ہے، کسی اور حرف کو اگر کھینچا جائے تو وہ بگڑ جاتا ہے اور اس کی اپنی وضع ختم ہو جاتی ہے، اسی کو محولہ بالا عبارتوں میں تغنی قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ امام احمدؒ کے ارشاد مذکورہ سے واضح ہے کہ محمد کو "موحاماذ" کہا جائے تو ظاہر ہے کہ سخت غلطی ہے، اسی کو تغنی اور لحن کہا جاتا ہے، جس کی نہ قراءتِ قرآن میں اجازت ہے اور نہ اذان میں، ہاں حسن صوت ضرور مقصود ہے سو اس کا لحن سے کوئی تعلق نہیں اسی کے لئے لفظ فلا تلازموا بینهما فرمایا گیا۔

حاصل یہ ہے کہ بقدرِ گنجائش تطویل کلماتِ اذان میں جائز ہے اور چونکہ علاوہ حیعلتین اور شہادتین کے یہ گنجائش اسم جلالہ اللہ اکبر میں نکل سکتی ہے اس لئے کہ اگر ایک الف سے زائد ایک متوازن مقدار میں اس کے الف کو کھینچا گیا تو یہ جائز ہوگا، ہاں شہادتین میں جو اسم جلالہ "اللہ اکبر" مذکور ہے اور اسی طرح آخری کلمہ لا الہ الا اللہ میں مذکور اسمِ جلالہ (ہاء) چونکہ ساکن ہے اس لئے اس سے پہلے کے الف زیادہ کھینچ کر پڑھے جائیں گے، ان کے علاوہ کسی کلمہ کا کوئی حرف نہ کھینچا جائے گا ورنہ ناجائز ہوگا۔

خلاصہ کلام

اذان وتکبیرات صلوۃ کے مابین کئی طرح فرق ہے، نیز تکبیرات صلوۃ میں ممانعت مد کے لئے بطور استدلال پیش کی جانے والی روایت سے متعلق حضرات محدثین نے "لایصح مرفوعاً ولا موقوفاً" تو امام بخاریؒ نے "ھذا عندنا باطل" فرما کر روایت ہی کو قابل استدلال نہیں گردانا ہے، پھر بغرض تسلیم الفاظ میں بھی اضطراب ہے، نیز "جزم" کی مراد میں بھی بڑا اختلاف ہے، بلکہ ہمارے اکابر نے اس کے خلاف تکبیرات نماز میں مد کرنے کو فرمایا ہے، پھر تکبیرات صلوۃ کی بنسبت اذان میں توسع ہونے کو خود فقہاء نے لکھا ہے اور جب کلمات اذان کے مواقع مد اصلی میں بغرض اعلان، تحسین، ہیبت علی خیر المسلمین وتعظیم ایک الف سے زائد مد کے جواز کی رائے بھی

حضرات علماء کرام ہی کی ہے، لہذا ناقص رائے یہ ہے کہ جو گروہ مد کرتا ہے ان کو مد نہ کرنے والوں کی اور جو مد نہیں کرتے ان کو مد کرنے والوں کی تغلیط کے بجائے وسعت سے کام لینا چاہئے، خصوصاً جبکہ مسئلہ صرف اولیٰ وغیر اولیٰ کا ہے، نیز ادھر مد کی گنجائش سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے آخری سے آخری مقدار یعنی سات الف سے زیادہ حد سانس تک مد کرنا بھی غلط اور قابل اصلاح ہے، لہذا اعتدال کے ساتھ اذان کی صحیح مشق وترویج ہی معتدل راہ معلوم ہوتی ہے۔ هذا ما عندي وما تيسر لي الله الموفق والمعين وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

LAJNATUL QURRA

Darul Uloom Falah Daren,Tadkeshwar, Surat, Gujarat